جدید افکار ونظریات

ایک تجزیاتی مطالعہ

تالیف:

مولانا محمد رضوان عزیز صاحب حفظہ اللہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان فون نمبر 0614783486

جدید افکار و نظریات

ایک تجزیاتی مطالعہ

مطالعہ تاریخ کے رہنما اصول، جماعت المسلمین سیکولرازم سوشل ازم
جمہوریت اور ہیومن رائٹس پر لکھے گئے تجزیاتی مقالات کا حسین مجموعہ

تالیف:
مولانا محمد رضوان عزیز صاحب حفظہ اللہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان فون نمبر 0614783486

مقدمہ:

اللہ تعالی کی ذات ہی لائق حمد وثناء ہے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور اسے اپنی قدرت خاصہ سے مزین کیا اور صلوٰۃ وسلام ہو نسل انسانی کے سردار مشفق اور رہبر ورہنما نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر جن کی بعثت سے سلسلہ نبوت اپنے کمال اختتام کو پہنچا اور باضابطہ حتمی اور آخری خدائی خلافت کا آغاز ہوا۔ " **علیہ الصلوٰۃ والسلام بعدد کل ذرۃ الف مرۃ**" امم سابقہ کو اپنے انبیاء کی معیت میں غزوات عسکریہ کا سامنا رہا جنگیں ہوتی رہیں اور حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں لیکن کسی بھی دور میں اہل حق پر فکری یلغار کی ایسی شدت نہیں آئی جس کا سامنا امت مسلمہ کو کرنا پڑ رہا ہے جب لڑائی صرف ایک جہت سے ہو تو آسان ہوتی ہے لیکن چومکھی جنگ لڑنا جس میں دماغ، زبان، قلم وکمان سب ہی شمشیر بکف ہوں اور دشمن بھی "ابھی نہیں تو کبھی نہیں" کے عزم سے میدان میں اترا ہوا ہو تو حالات کی سنگینی کا اندازہ خود ہی ہو جاتا ہے۔

قرب قیامت جو فتنے سر اٹھائیں گے ان فتنوں میں سے ایک خطرناک ترین فتنہ قلم کا ظہور ہے آپ ﷺ نے علامات قیامت کو ارشاد فرماتے ہوئے اس حقیقت کو آشکارہ کیا۔

" **عن النبی ﷺ ان بین یدی الساعۃ تسلیم الخاصہ وفشوالتجارۃ حتی تعین المرءۃ زوجھا علی التجارۃ وقطع الارحام وشھادۃ الزور وکتمان شھادۃ الحق وظھور القلم۔**

(مسند احمد رقم الحدیث ۳۶۶۴، ۳۸۴۸۔ مسند عبداللہ ابن مسعود رقم الحدیث ۳۸۷۰)

" آپ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ قیامت کے قریب صرف خواص ہی کو سلام کیا جائے گا تجارت عام ہو جائے گی یہاں تک کہ مرد کے ساتھ اس کی عورت بھی تجارت میں تعاون کرے گی قطع رحمی عام ہو جائے گی جھوٹی گواہی کا دور دورہ ہوگا اور سچی گواہی کو چھپایا جائے گا اور قلم کا ظہور ہوگا.

قلم کے ظہور سے جس تصنیف وتالیف کے فتنہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ دور اس کی عمدہ ترین مثال ہے ہر شخص اپنی فکر ونظر میں آزاد خیال ہے کوئی اخلاقی وشرعی قدغن اس کو پابند نہیں کر پا رہی

اور پرنٹ اور سوشل میڈیا تک رسائی نے ہر ایک کی ذاتی سوچ کو چاہے وہ کتنی ہی سطحی کیوں نہ ہو کثیر عوام الناس کا موضوع بحث بنا دیا ہے اور کس و ناکس خواندہ و ناخواندہ رائے زنی کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ اور جہلاء کی گفتگو سے کس قدر اختلافات جنم لیتے ہیں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ مفسر طبریؒ نے کیا خوب فرمایا "**لو سکت الجهال لقل الخلاف**" اگر جاھل خاموش رہتے تو اختلاف کم ہو جاتا۔

جاہل علمی معاملات کے اہل نہ تھے کہ اس میں تبصرہ کرتے مگر انہوں نے اپنی نااہلی سے ذہنی انتشار میں مزید اضافہ کر دیا۔

اس وقت جبکہ ہر طلوع ہونے والا سورج کسی نئے فتنے کا خبر لا رہا ہے اور غروب ہوتے وقت کسی سنت کے نشان کو بھی ساتھ لے جاتا ہے یہ ایسا دور پرفتن ہے کہ سید ابوالحسن علی ندوی تڑپ کر فرمایا کرتے تھے " **ردة و لاابابکر لها**" ھائے ارتداد پھیل رہا ہے مگر امت میں کوئی ابوبکر نظر نہیں آرہا جو اس کا تدارک کرے۔

ملک عزیز اس وقت جن خارجی و داخلی مسائل کا شکار ہے اس پر تشویش ہونا تو اہل وطن کیلئے ضروری ہے ہی لیکن روز افزوں پیدا ہونے والے فکری و ذہنی فتنے اس کی بنیادوں کو متزلزل کر رہے ہیں۔ علماء حقہ ھمہ وقت ان فتنوں کی بیخ کنی میں مصروف ہیں اللہ تعالی ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ہر طرح کے شرور سے ان کی حفاظت فرمائے۔

استاد مکرم شاھین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب حفظہ اللہ تعالی نے راقم کو حکم فرمایا کہ فتنوں کی نشاندہی اور گمراہ طبقات کی ہدایت اور درستگی کیلئے کچھ جامع نصاب تیار کرو۔ حضرت الاستاد عمر کے جس حصے میں ہیں وہاں تو صرف آرام کیا جاتا ہے مگر ان کے ہاں آرام کرنا تو دور کی بات دوسروں کو بھی بے آرام رکھنا عبادت سمجھا جاتا ہے جوانان بادہ مست و قلم بدست سے شیخ خم خانہ الست کی رفتار آج بھی فزوں تر ہے۔ بہر حال تعمیل ارشاد میں فوری طور پر مندرجہ ذیل عنوانات پر مضامین تیار کیے گئے۔

جماعت المسلمین رجسٹرڈ۔ مطالعہ تاریخ کے رہنما اصول، لبرل ازم، سوشل ازل ہیومن رائٹس اور روشن خیالی وغیرہ اوران غزوات فکریہ میں مسلمانوں کا مؤقف اور مدمقابل کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

اور یہ تمام کام ھنگامی بنیادوں پر کیا گیا ہے جس میں بہت سی بہتری کی گنجائش بہرحال میں موجود ہے اگلے ایڈیشن میں انشاءاللہ العزیز اس میں مزید مفید اضافہ جات ہوں گے۔

جو لوگوں کو شکر اداء نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا.

بعض کتب تک رسائی جو کہ بظاہر ناممکن تھی اللہ تعالی جزائے خیر دے مولانا اسلم ندیمؒ نقشبندی بھائی آصف بلال صاحب اور برادر مکرم اصلاح الدین الشّمس کو جنہوں نے مطلوبہ کتاب کی فراہمی کو یقینی بنایا اور تخصص سال سوم کے طلباء عزیز جو ساتھ ساتھ کمپوزنگ کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور بالخصوص مولنا معمر صاحب جو دن رات کتاب کی سیٹنگ اور پروف ریڈنگ میں مصروف رہے حتی کہ یہ تصنیف مایہ تکمیل کو پہنچی اللہ تعالی ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ ان تمام معاونین کو اپنی شایان شان اجر عظیم نصیب فرمائے اور روز محشر شفاعت پیغمبر سے ہمکنار فرمائے۔آمین یارب العالمین

محتاج دعا

محمد رضوان عزیز

مسؤول شعبہ تخصص فی علوم ختم النبوۃ چناب نگر

اس طالب علمانہ کاوش کو برادر مکرم شہید ختم نبوت بھائی کلیم اللہ شہید آف چارسدہ کی طرف منسوب کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس کی خدمت و دفاع میں زندہ رہا اور انہی کی اطاعت میں حیات جاودانی پا گیا۔

اللہ تعالی اس تصنیف کا ثواب انہیں نصیب فرمائے اور ان کے طفیل ان سب کو جو اس کے اھل ہیں۔

محمد رضوان عزیز

فصل الاول مطالعہ تاریخ کے چند رہنماء اصول

علم عمرانیات کی افادیت واہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے

علم عمرانیت جسے علم تاریخ کہتے ہیں یہ انسانیت کے ارتقائی سفر کی داستان ہے تاریخ انسانی ہے تاریخ انسانی کے لیل ونہار تعمیر وتخریب حوادث وسانحات عروج وزوال انفرادی واجتماعی واقعات کا ایک تلخ مرقع ہوتی ہے۔تاریخ انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں گزشتہ نسلوں کے بیش بہا تجربہ کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرتی ہے۔اس تاریخ کے توسط سے ماضی کی غلطیوں پر متنبہ ہوکر نئی پالیسی وضع کی جاسکتی ہے جس سے حال کو خوش حال اور مستقبل کو روشن کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ نویسی میں چونکہ اپنے اسلاف کے حسن وقبح کو بیان کیا جاتا تھا اور ہر مؤرخ اپنے نقطہ نظر سے سوچتا تھا۔اوراسی نظر سے لکھتا تھا،اورتاریخ کا کوئی خاص اصول نہ ہونے کی باعث وثیقہ تاریخ اس درجہ کی ثقاھت حاصل نہ کرسکا جوکہ اس عنوان کا تقاضا تھااور یہ طے شدہ بات ہے کہ بے اصولیاں ہمیشہ کچھ اصولوں کی بنیاد بن جاتی ہیں۔لہذا نسل انسانی کے بے اصولیوں نے کچھ اصولوں کو جنم دیا اور تاریخ تعمیر نو کے سخت مرحلے سے گزری۔بعض وہ لوگ جو علوم تاریخ سے تو آشنائی رکھتے تھے مگر وحی کی روشنی سے محروم تھے انہوں نے تاریخ کی جس طرح منظر کشی کی وہ ایک مستقل تاریخ ہے۔مگر سر دست امت مسلمہ میں جن مقدس شخصیات جو اسلام میں اساسی حیثیت رکھتی ہیں ان کے حوالے سے جو تاریخ کی آڑ میں زہر اگلہ گیا ہے۔ضروری ہے کہ اس کے متعلق کچھ اصول قلمبند کیے جائیں تاکہ تاریخ کے سانپ کچھ تریاق بھی ہو جائے سر دست دس اصول پیش خدمت ہیں۔عنقریب ۴۰ اصول تاریخ مستقل تصنیف کی صورت میں ھدیہ قارئیں کروں گا۔ انشاءاللہ العزیز۔

(اصول نمبر ۱)

حضرات صحابہ ؓ واہل بیت ؓ کے متعلق کسی بھی بصری وسمعی لٹریچر سے استفادہ سے قبل یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ دونوں طبقات مذہب کا موضوع ہیں تاریخ کا موضوع نہیں اگر چہ تاریخ اسلام

کی بنیاد بھی انہی نفوس مقدسہ کی حیات مبارکہ سے اٹھی ہے لیکن ان حضرات کو پرکھنے کا آلہ تاریخی روایات نہیں ہیں بلکہ شریعت اسلام کے وہ محکم اصول وضوابط ہیں جنہوں نے ان ہستیوں کی آئینی حیثیت کو واضح کر دیا ہے لہٰذا کسی بھی کتاب میں اگر کسی صحابی کے متعلق ایسی بات کی جائے جو اصول شریعت سے متصادم ہو تو ترجیح بہر حال شریعت کو ہوگی اور اس تاریخی روایت کو یا تو تطبیق دی جائے گی یا راجح مرجوح کو دیکھا جائیگا اگر کسی طرح بھی بات نہ بنے تو اس روایت کو چھوڑ کر اصل الاصول کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(اصول نمبر۲)

زہر اور کشتہ زہر کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

ایک گناہ جب عام آدمی کے نامہ اعمال میں ہو تو انتہائی نقصان دہ ہے جب تک وہ حین حیات توبہ نہ کرلے اور اللہ اسے معاف نہ کر دے وہ گناہ ایسا زہر ہے جو دنیا و آخرت کو برباد کرنے والا ہے لیکن جب بلکل ویسا ہی گناہ کسی صحابی یا اہل بیت کے نامہ اعمال میں نظر آئے۔ تو اسے گناہ نہیں کشتہ گناہ سمجھا جائے گا۔ جس طرح شنگرف تو نقصان دہ زہر ہے لیکن کشتہ شنگرف انتہائی مجرب دوا ہے بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ واہل بیتؓ کو آزمائش کی بھٹیوں میں ایسا کندھن بنایا کہ ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دیا۔ اولٰئک سیبدل اللہ سیاتھم حسنٰت یہ وہ طبقہ ہے جنکے گناہوں کو بھی نیکیوں سے تبدیل کر دیا گیا ہے لہٰذا کسی صحابی کے بظاہر گناہ کا واقعہ کسی تاریخ یا حدیث کی کتاب میں پڑھ کر ان مقدس ہستیوں کو کے بارے میں بدگمان نہ ہو۔

(اصول نمبر۳)

جرح وتعدیل کے مسلمہ اصولوں کو مدنظر رکھا جائے گا۔

حضرات صحابہؓ واہل بیتؓ کے متعلق کسی بھی مؤرخ یا محدث یا محقق کی جرح کو اہمیت دیکر کوئی رائے قائم کرنے سے بیشتر محدثین کے اس اصول کو مدنظر رکھا جائے جو انہوں نے اجلّہ ائمہ حدیث، ائمہ فقہ اور امت کی مقتدر ہستیوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے علامہ سبکیؒ اپنی کتاب

قاعدہ فی الجرح والتعدیل میں فرماتے ہیں۔ان من ثبت عدالتہ وامامتہ وکثر مادحوہ، مذکورہ، وندر جارحوہ وکانت ھناک قرینۃ دالۃ علیٰ سبب جرحہ من تعصب مذہبی اوغیرہ فانا لانلتفت الیٰ الجرح فیہ ویعمل فیہ بالعدالۃ (قاعدۃ الجرح والتعدیل ص۹ ص۱۰) (دراسات فی الجرح والتعدیل ص۱۹۰) جس شخص کی امامت وعدالت ثابت ہوجائے اوران کی مدح کرنے والے کثیرلوگ ہوں اور جرح کرنے والے بہت تھوڑے سے لوگ ہوں اور یہاں پرایک قرینہ بھی موجود ہوکہ یہ جرح تعصب مذہبی کی وجہ سے یا کسی اور (عناد) کی وجہ سے کی جارہی ہے تو ہم ایسی جرح کی طرف توجہ نہیں کریں گےاورہم اس میں عدالت ہی کولازم پکڑیں گےاس اصول کی روشنی میں حضرات صحابہؓ واہل بیتؓ کی جماعت کواگردیکھا جائے تو یہ وہ طبقہ ہےجنکی عدالت وثقاہت کی گواہی خودذات باری تعالیٰ نے دی ہے۔**اولآئک ھم الراشدون،اولآئک ھم المفلحون ،رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ** کی وہ مقدس دستاویذات جوکریکٹرسرٹفکیٹ کےطور پراللہ تعالیٰ نے اس طبقہ کوعطاءفرمائی ہیں ان کی روشنی میں پوری امت مسلمہ کااجماعی فیصلہ ہے کہ ان الصحابۃ کلھم عدول بتعدیل اللّٰہ ورسولہ لھم (دراسات فی الجرح والتعدیل ص۱۶۷) کہ سب صحابہ عادل ہیں اللہ اوراس کےرسول کی تعدیل کی وجہ سے

اس لئے اگرکسی بھی کتاب میں چاہےاس کا مصنف علم وتقویٰ کے کتنے ہی بلندمعیار پر کیوں نہ ہواگرکسی بھی صحابی کےمتعلق اس میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس سے اس صحابی کی عظمت شان کوبٹہ لگتا ہوتوایسی روایت کاصحیح محمل تلاش کیا جائے گا تاکہ تطبیق ہوسکے یا پھراُسے منسوخ قراردیا جائے گااس لئے کہ کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ کافیصلہ قطعی ہےاورتاریخی روایت محض ظنی اور تخمینی ہیں اورظن کبھی حق کےمقابل نہیں ٹھرسکتااس لئے امام ابوزرعہ رازیؒ نے حضرات صحابہؓ واہل بیتؓ کےمتعلق بدگوئی کرنے والے کے بارے میں ارشادفرمایا ہے

اذا ریت الرجل یتقص احداًمن اصحاب رسول اللہ ﷺ فاعلم انہ زندیق وذالک ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادّا ی الینا

هذالقرآن والسنة الصحابة وهؤلاء یریدون ان یجرحوا شهودنا لیبطلوا الكتاب والسننة (الكفاية ص ٤٩)

جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو صحابہ میں سے کسی ایک کی شان کو گھٹا رہا ہو تو جان لو کہ یہ شخص زندیق ہے اس لئے کہ ہمارے رسول ﷺ برحق ہیں اور ہمارا قرآن برحق ہیں اور یہ قرآن وسنت ہمیں صحابہ ہی نے پہنچائے ہیں اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں یعنی صحابہ کو مجروح کر کے ہماری کتاب وسنت کو باطل کر دیں۔ اور بدقسمتی سے تاریخ کا قلمدان عموماً اسی طبقہ کے ہاتھ میں رہا جو حضرات صحابہؓ اور اہل بیتؓ کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا صحابہ کے ہاتھوں میدان جنگ کی شکست کا بدلہ اس نے تاریخ نویسی کے میدان میں لیا اور گواہان نبوت کی ایسی کردار کشی کی کہ شرم وحیاء بھی سر پیٹ کر رہ گئی۔ لہٰذا صحابہ کی شان کم کرنے والی بات کہیں سے بھی ملے اس کو دل ودماغ میں ہرگز ہرگز جگہ نہ دی جائے اور تعدیل والے اصول کو مدنظر رکھا جائے۔

(اصول نمبر۴)

مصنف ومؤرخ کے یوٹرن اور الفاظ استدراک وتشریح سے احتیاط کی جائے۔

بسا اوقات سوانح نگار کسی مقدس شخصیت کے حالات زندگی ایسے عمدہ انداز سے قلمبند کر دیتا ہے کہ قاری پر سحر طاری کر دیتا ہے لیکن اچانک مصنف کا قلم یوٹرن

لیکر سابقہ سارے وثیقے پر پانی پھیر دیتا ہے مثلاً مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں جانے والے لشکر کے سالار حضرت عکرمہؓ کو حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ جب تک حضرت خالد بن ولیدؓ نہ پہنچ جائے حملہ نہ کرنا مگر حضرت عکرمہ نے حملہ کر دیا اور ناکام ہوئے اب اس واقعہ کو ایک تاریخ نگار نے یوں لکھا کہ حضرت عکرمہ انتہائی جری اور بہادر تھے لشکر کے سالار بنے اور مسیلمہ کے مقابلے میں پہنچے لیکن فتح کا تاج اکیلے اپنے سر پر باندھنے کے شوق میں حملہ کر دیا اور منہ کی کھائی (تاریخ ملت۔۔۔) انا للہ وانا الیہ راجعون

اس جملہ میں حرف لیکن کے بعد پایا جانے والا زہر ایمان کی زمین پر زہر کی تخم ریزی کے

ماسوءاور کیا ہوسکتا ہے؟ کیا یہ مناسب نہ تھا کہ اس بات کو یوں لکھا جاتا حضرت عکرمہؓ نے جب ختم نبوت کے دشمن کو اپنے سامنے دیکھا تو غیرت ایمانی سے ایسے مغلوب الحال ہوئے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی نصیحت یاد نہ رہی اور دشمن رسول پر ٹوٹ پڑے مگر تدبیر کی تشنگی سے نتیجہ فتح کے ماسواء نکلا۔

اس لئے کتب سیرت و تاریخ اور سوانح نگاری کے مطالعہ کے دوران جہاں بھی ،،گویا کہ، چونکہ، چناچہ، لیکن، مطلب یہ ھیکہ، وغیرہ کے الفاظ آجائیں فوراً چوکس ہو جائیں کہ ممکن ہے کہ آگے ایسی گھاٹی ہو جس میں گر کر ایمان سلامت نہ رہے ایسے الفاظ پر محتاط ہونا تاریخی زہر سے محفوظ رکھے گا ورنہ یہ ایسی اندھیری کھائی ہے جہاں گرتے تو کئی دیکھے گئے ہیں مگر واپس نکلتا کوئی نہ دیکھا گیا۔

(اصول نمبر ۵)

مُصنَف سے پہلے مُصنِف کو پڑھنا۔

تالیف سے پہلے مؤلف اور تصنیف سے پہلے مُصنِف کے پس منظر پیش منظر اور تہہ منظر کو جاننا ضروری ہے اس لئے کے بازار میں تصنیف نہیں مُصنِف بکتا ہے بعض اوقات تصنیف بہت عمدہ دیدہ زیب اور انتہائی معلوماتی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے اندر ایسا (slow poizain) سست زہر چھپا ہوا ہوتا ہے کہ قاری کو دین و دنیا میں سے کہیں کا نہیں چھوڑتا اس لئے نہ تو ہر کتاب اس قابل ہوتی ہے کہ اُسے پڑھا جائے اور نہ ہر صاحب قلم اس قابل ہے کہ اس کی تحریر کو صحیفہ آسمانی سمجھ کر قبول کرلیا جائے۔ ہر طرح کا لٹریچر پڑھنے کو آپ ﷺ نے بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے ایک مرتبہ جب حضرت عمرؓ اہل کتاب میں سے کسی کی کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے تو آپ ﷺ شدید خفاء ہوئے اور ارشاد فرمایا،،لوان موسیٰ کان حیاً ماوسعہ الاّ ان یتبعنی (مسند احمد رقم ۱۵۱۵۶) (سنن دارمی رقم ۴۴۹) اگر آج موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو میری ہی پیروی کرتے۔ اس لئے ہر پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ دیکھے کہ کیا پڑھ رہا ہے؟ کسی اہل علم و اہل اللہ سے

مشورہ کرلے کیونکہ اگر تریاق کھائے بغیر سانپوں کے سے کھیلے گا تو نتیجہ انتہائی بھیانک ہوگا بہت سے اصحاب قلم اپنا خاص ایک تاریخی پس منظر رکھتے ہوتے ہیں اس لئے بہت ہی عمدہ اسلوب میں مقدس شخصیات کی انتہائی قبیح منظر کشی کرنا فساد عالم کا ایسا منظر پیش کرنا کہ بندہ اس دور کے اہل اللہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانے پر مجبور ہو جائے اور ساتھ ساتھ اپنی غیر جانبداری کا بھرم قائم رکھنا یہ بعض مصنفین کا خاص طرز ہوتا ہے۔ مثلاً جنگ جمل، جنگ صفین کے پس پردہ عوامل کو جانے بغیر محض اُسے اقتدار کی لڑائی قرار دینا باغ فدک کی بحث کو چھڑ کر ان ہستیوں کو مورد الزام ٹھرانا جنہوں نے اپنا تن من دھن خاندان نبوت کے قدموں پر نچھاور کردیا ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے یہ بات ذھن میں رہے **کلًّا وعداللہ الحسنیٰ** کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ کا بھلائی کا وعدہ ہے اس لئے کذاب راویوں کی روایتوں تاریخ نویسیوں کی نوشتوں اور خرافہ سازوں کی خرافیوں سے اپنے ایمان کو بچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہر کتاب کا مطالعہ نہ کیا جائے اور نہ ہر قسم کے واعظ کا وعظ سنا جائے الاّ یہ کہ کسی کا نام و کام اہل حل وعقد کے ہاں درجہ استناد تک پہنچا ہوا ہو۔

(اصول نمبر ۶)

سوانح حیات یا سیرت کی کتب کے مطالعے کے دوران تنقید اور حق تنقید کا یوسفی اصول مدنظر رہے۔

حضرت یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے محض تنقید کو دیکھ کر ہی راستے نہیں بدل لینے چاہیئے بلکہ نقاد کی حیثیت کو بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا اُسے یہ تنقید کرنے کا حق بھی ہے یا نہیں۔ محض کسی کا عالم و فاضل محقق یا پروفیسر ہونا اس بات کی سند نہیں ہے کہ وہ جس کی چاھے پگڑی اچھال دے اور جو کچھ اِدھر اُدھر سے سُنے بلا تحقیق عوام میں پھیلا دے حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (مسلم شریف رقم ۵) (سنن ابی داؤد ۴۹۹۲) آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ جو کچھ سنے اُسے آگے بیان کرنا شروع کردے اس لئے ہر نقاد کا نقد قابل اعتماد نہیں ہوتا امام احمد بن حنبلؒ ارشاد فرماتے ہیں **کل**

رجل ثبت عدالته لم يقبل فيه تجريح احدٍ (دراسات فی الجرح والتعدیل ص ۶۱)

جس شخص کی عدالت ثابت ہو اس کے متعلق کسی کی جرح وتنقید معتبر نہیں ہے۔ اور حضرات صحابہؓ و اہل بیتؓ کی عدالت وثقاہت تو نصوص سے ثابت ہے لھذا محض کسی کا بعض ضعیف، کذاب، متروک، یا متساہل رواۃ کی بناء پر حضرات صحابہؓ کو خلافت وملوکیت کے خودساختہ کٹہرے میں کھڑا کرنا امانت ودیانت کا خون کرنا ہے بدگمانی کی تھوڑی سی چنگاری معلومات وتحقیقات کے خرمن کو جلاکر راکھ کر دیتی ہے۔

(اصول نمبر ۷)

سرکاری لغزشوں کو متعلقہ شخصوں تک محدود رکھے اور اسے مذہب کے لئے اصل الاصول نہ بنائے۔

جہاں گیری اور جانبانی میں کچھ ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جنہیں خطاء ولغزش سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض سیرت نگار اور سوانح نگار کسی فرد چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم اس کی غلطی کو باقاعدہ آئینی شق بنا دیتے ہیں اور اس پر اپنے مذہب اور اخلاقیات کا خیمہ لگاتے ہیں اور اسے بنیاد بنا کر پورے مذہب کو ڈائنامیٹ کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں یورپی وفارسی مؤرخین متعصبین کی یہی اخلاقی کمزوری ہے کہ وہ بادشاہوں کی غلطیوں کو اسلام کی بنیادی غلطیاں سمجھ کر عربدہ نویسی شروع کر دیتے ہیں اگر وہ شخص تفردات اور غلطیوں کو تعصب کی عینک اتار کر دیکھتے تو انہیں اسلام میں کوئی خامی نظر نہ آتی لھذا قاری کو بھی چاہیئے کہ شخصی معاملات کو اس شخص معین تک ہی محدود رکھے حضرت عمرؓ اسی لئے تو ایسے معاملات میں بہت حساس تھے اور کسی کو تفرد اختیار نہیں کرنے دیتے تھے مبادا ان کی یہ ذاتی حیثیت سے کی جانے والی تھوڑی سی غلطی آئندہ نسل کیلئے باقاعدہ قانونی شق بن جائے ایک دفعہ جب حضرت طلحہؓ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے تو انکے احرام پر رنگ دیکھ کر ان سے پوچھا کہ کیا یہ رنگ دیا ہوا احرام ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں اے امیر المؤمنین یہ تو ویسے احرام کو سرخ مٹی لگ گئی ہے تو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا انکم ایھا الرھط ائمۃ یقتدی بکم

الناس (موطاامام مالک حدیث نمبر۹۰۹) اے جماعت صحابہ تم وہ لوگ ہو جن کی لوگوں نے پیروی کرنی ہے یعنی ایسی شبہ والی چیز سے بھی بچو جس سے بعد والے غلط راستے پر چل پڑھیں مؤرخین اورسیرت نگاراگرراہ راست پر نہ ہوں تو وہ تو شخصی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر دین کا مسلمہ اصول ثابت کرنے کی کوشش کریں گے ہی لیکن قاریٔ کتاب کو ہوش وحواس قائم رکھنے چاہیں اورایسی باتوں کودل میں جگہ دینے سے گریز کرنا چاہیئے۔

اصول نمبر ۸

اصول تنقیح وتذکیہ شہود میں اہل فارس اہل مغرب اوراہل اسلام کی حدوداورطریقہ ہائے تفتیش وتحقیق کا خیال رکھنا۔

ہر مورخ پرکوئی نہ کوئی رنگ غالب ہوتا ہے ہاتو وہ اپنے عہد کا مرثیہ خواں ہوگا یا ہجو بیان کسی خاص نسل وتہذیب کا علمبردار ہوگا یامخصوص مقاصد کا آلہ کار بظاہر
تو وہ مقدس پیشواؤں کی تاریخ بڑے عمدہ پیرائے میں جاذب نظر وقلب عنوان کے ساتھ لکھے گا لیکن اس کے اصول تنقیح مختلف ہونے کی وجہ سے اس کی بیان کردہ سیرت وتاریخ کا اثر بھی قاری پرمختلف ہوگا۔

جس طرح اہل فارس حضرات صحابہ سے بدظنی اس لیئے رکھتے ہیں کہ ان کی کئی ہزار سالہ آمریت کوحضرات صحابہ نے اسلام کے قدموں پر گرادیا تھااوراہل مجوس کی حکومت کواسلامی قلمرو کا حصہ بنادیا تھااس لیئے اس طبقہ نے حب اہل بیت کا فرضی لیبل استعمال کرکے حضرات صحابہ کی ایسی تاریخ مرتب کی کہ تاریخ ہی مسخ کرکے رکھدی اوران کے نزدیک سب سے بہتر تزکیہ شہودا تنا ہی ہے بسند معتبر منقول است،، کہ راوی کہتا ہے یا یہ بات معتبر سند سے منقول ہے الخ۔۔۔ اورتھوڑی سی بھی فہم فراست رکھنے والے طالب حق کبھی اتنی سی بات سے مطمئن نہیں ہوسکتا کہ راوی کہتا ہے جب تک اس راوی کے مکمل کوائف اورثقاہت ثابت نہ ہوجائے۔

اہل مغرب جوظہوراسلام سے قبل جہالت کی گھٹاٹوپ وادی تیہ میں حیران سرگرداں پھررہے تھے

جب انہیں اسلام کی برکت سے کچھ شعور ملا تو انہوں نے افواہوں کو خبر اور خبروں کو تاریخ بنا دیا اور توثیق رجال تو درکنار بدوں رجال ہی تاریخ کے نمک سے سفینے بنا کر دریاؤں میں اتار دیئے مارگولیتھ کی کتاب،،محمد،،اور،،سخاؤ،،نولدیکی مسٹر پامر اور گولڈزیہر کی تصانیف چیخ چیخ کر بتا رہی ہیں کہ ان سب تاروں کی صدا ایک ہی صدا ہے کچھ غلط فہمیاں کچھ جہالت کچھ تعصب اور باقی سب ہیچ اہل یورپ مورخین اور سیرت نگار ایسی جگہ پر کھڑے ہیں جہاں انہیں دکھائی تو سب دیتا ہے مگر سجھائی کچھ نہیں دیتا۔ان سب کے برعکس اسلام نے دنیا کو تحقیق و توثیق رجال کا ایسا فن دیا ہے کہ حق باطل نکھر کے سامنے آجاتا ہے۔روایت حدیث کی چھان بین اور تلاش حقیقت تک پہنچنے کے لیئے ایک ہی حدیث یا واقعہ کو کم وبیش سو سو اسناد سے جمع کرنا تا کہ کسی طرف سے اسمیں جھول نہ رہ جائے یہ صرف اسلامی محدثین و مورخین ہی کا کارنامہ ہے بلکہ اہل علم جانتے ہیں محدثین اس حدیث میں اپنے آپ کو یتیم سمجھتے ہیں جن کی ۱۰۰ سے زائد اسناد نہ ہوں۔

ابو اسحاق ابراہیم بن سعید الجوھری ارشاد فرماتے ہیں

كل حديث لم يكن عندي من ماته وجه فانا فيه يتيم

(میزان اعتدال ج ۱ ص ۳۵ دراسات ص ۲۸)

ہر وہ حدیث جسکی میرے پاس ۱۰۰ اسندیں نہ ہوں میں اس میں خود کو یتیم سمجھتا ہوں یہی وہ طرز ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو دوسرے مذاہب اور قوموں سے جدا کرتا ہے کہ ہماری تاریخ مجہول راویوں سے بنائی گئی ریت کی دیوار پر قائم ہے اور نہ ہی افواہوں کی گرد میں اڑنے والے پتنگوں کی طرح بے وقعت ہے۔

لہذا اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پڑھتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھے کہ مجہول النسب مورخین اور سیرت نگاروں کی زلہ ربائی کو اور افواہوں کی بنیاد پر کی گئی نظر غائی کو حقیقت نہ سمجھے اور تلاش حق میں اہل حق سے رجوع کرے۔

اصول نمبر ۹

تعمیر اور تعمیر نو (کنسٹریکشن اور ری کنسٹریکشن) کے فتنے میں مبتلا نہ ہو۔

سابقہ اقوام و مذاہب کی اخلاقی زبوں حالی کا ایک بڑا سبب جسے انکی تباہی کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے وہ تعمیر اور تعمیر نو کا بے ہنگام فتنہ ہے۔ اپنی مذہبی روایات کو انہوں نے عصر حاضر کے چیلنجز اور ترقی پذیر انسانیت کے تقاضوں سے نمٹنے کیلیئے خیر آباد کہہ دیا یا تحقیق جدید کے نام پر سابقہ تحقیقات میں تشکیکات کی پیوند کاری کردی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اقوام اپنے مرکز سے کٹ کر کٹی ہوئی پتنگ کی طرح تاریخ کے کوڑا دان کا حصہ بن گئی۔ یہود نصاری جو کہ ایک معتبر مذہبی پس منظر رکھتے تھے ان کا مذہب منظر نامہ سے غائب ہو گیا۔ اور جریدہ عالم پر ان کی بے جان لاشیں رہ گئی۔ جو دوسرں کے استخواں نعمت پر ہڈیاں چبا رہی ہیں۔ یہ سب آخر کیسے ہوا۔۔۔؟
ان کو تعمیر نو کے مرض نے جکڑ لیا تھا مختلف العقول لوگوں کی عقلوں سے داد تحسین وصول کرنے کے شوق میں انہوں نے اپنی ہر اس بات کو مذہب بنا لیا جو بظاہر دلکش اور انسانی عقول کیلئے تسلی بخش تھی پھر وہی ہوا نہ قافلے رہے نہ ساربان نہ اونٹ رہے نہ حدی خواں۔

اب یہی فارمولہ ان عقل گذیدہ ودم بریدہ سگان استشراق نے اسلام کے ساتھ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان روایات سے کنارہ کش ہونے کی صدا بلند کی جو محض عقل خام کے بدنام معیاروں پر پوری نہیں اترتی تھی ان کی نظر میں کبھی تو حضرت عائشہ کی عمر شادی کیلیئے موضوع نہیں تھی۔ کبھی حدیث کا ذخیرہ ایک غیر ضروری بوجھ تھا۔ کبھی حضرت ابو ہریرہ کی کثیر روایات ھدف تنقید تھی۔ کہیں فقہا عظام کی مساعی جمیلہ مورد طعن۔
ایک ہی سر تھی جسے سب راگوں میں گایا جا رہا تھا۔

پورے دین اسلام کی تعمیر نوع ہونی چاہیئے ذخیرہ احادیث سے صحیح وضعیف کو جدا جدا کرنا چاہیئے ان اقوال کو ختم کر دینا چاہیئے جو عصر حاضر کی عقل کے مطابق نہیں اور ہر اس واقعہ کا انکار کر دیا جائے جو انکی سیکس زدہ ذہنیت میں بری شکل رکھتا ہے اس کنسٹریکشن اور ری کنسٹریکشن کے فتنے

نے کئی قوموں کو رخ قرطاس سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا کاش ہر نئی آواز پر لبیک کہنے سے پھلے وہ جان لیتے کہ

ہے باعث تزین چمن خار بھی خس بھی

(اصول نمبر ۱۰)

کوئی بھی کتاب لکھی جائے یا پڑھی جائے تو مکمل ذہنی بلوغ اور قلبی رسوخ سے لکھی پڑھی جائے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سے ھدایت اور صراط مستقیم کی دعا کی جائے قرب قیامت قلم کا فتنہ عام ہوگا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے قریب تجارت اتنی زیادہ ہو جائیگی کہ بیوی بھی اپنے شوہر کے ساتھ ہاتھ بٹائیگی اور قطع رحمی عام ہوگی جھوٹی گواہیاں دی جائے گیں اور سچی گواہی چھپائی جائے گی۔اور قلم کا چلن عام ہو جائیگا (مسند احمد بن حنبلؒ ۳۶۶۴،۳۸۴۸،۳۹۸۲)

اس پرفتن دور میں سب سے بڑی استقامت اور جوانمردی یہ ہے کہ بندہ زبان قلم کے فتنوں سے خود کو بچالے اور تحقیق و تجسس اور مطالعہ کی دنیا میں ٹھوکر کھانے سے محفوظ رہے دجال کے فتنہ کا مقابلہ مادیت سے نہیں روحانیت سے ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ قرب قیامت سیدنا مسیح علیہ السلام کو اس فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نازل فرمائیں گے اور ان کا نام ہی روح اللہ ہے لھذا اس باریک سے نقطہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے محض ظاہری اور کتابی معلومات تک محدود نہ رہے بلکہ تزکیہ نفس کے لئے اہل اللہ میں سے کسی شیخ جو کہ متبع سنت ہو اس سے اپنا تعلق مظبوط کرلے اور ہر کتاب پڑھنے سے پہلے کس صاحب علم و عرفان سے مشاورت کرے اور خصوصی طور پر یہ دعا کرے

اللھم ارنی ا لحق حقاً ورزقنا اتبا عه و ارنی الباطل باطلاً ورزقنا اجتنا به

آمین بجاہ النبی الامین

مولانا محمد رضوان عزیز صاحب حفظہ اللہ

فصل الثانی جماعت المسلمین تعارف وتجزیہ

اسلام اور امت مسلمہ میں انتشار اور تفریق کا بیج بونے والی جماعت ''جماعت المسلمیلن'' کی سرکوبی سے قبل اسکا پس منظر بیان کیا جاتا ہے تاکہ پہلے اس کا تعارف ہو جائے۔ پھر بعد میں اسکے باطل عقائد ونظریات کا مکمل رد ہو۔ مثل مشہور ہے کہ مصیبت ہمیشہ اکیلی نہیں آتی ساتھ کئی مصیبتیں اور بھی لاتی ہے۔ اسی طرح برصغیر پاک وہند کی بدقسمتی ہے کہ یہاں ۱۶۰۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں وارد ہونے والا انگریز اکیلا نہیں آیا بلکہ ان تمام لوازمات سے لیس ہو کر آیا جو کسی ملک یا مذہب کی بیخ کنی کے لئے ضروری ہوتے ہیں پس فرنگی جس طرح اپنی شاطرانہ پالیسیوں کے ذریعے ارض ہند پر قابض ہوا اس طرح اہل ہند کے دل ودماغ کو بھی اپنا باجگزار بنالیا۔ لہذا بعض ہندی مسلمان دام افرنگ کے اسیر ہو کر ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے انگریز نے اپنے ناجائز اقتدار کو دوام بخشنے کیلئے ایک ایسی پالیسی بنائی تھی جس کا نام تھا ڈیوائڈ اینڈ رول یعنی لڑاؤ اور حکومت کرو کیونکہ انگریز جانتا تھا جب تک مسلمانوں میں نظریہ امت اور نظریہ جہاد موجود ہے ذریت ابلیس اپنے ابلیسی مشن کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی لہذا سب سے پہلے ان دو نظریات کو ڈائنامیٹ کرنے کی سعی نامشکور کی گئی۔ یہ امت مسلمہ کی بدقسمتی کا پہلا وقت تھا جب برطانوی سائبان اسلاف بیزاری کے نظریات کو پروان چڑھایا گیا اور امت کو اپنے اسلاف واکابر سے بدگمان کرنا شروع کیا اور وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے کا یہ مشن ایک حد تک کامیاب بھی ہوا پھر اسی دشت بے آب وگیاہ کے صحرانوردوں نے اپنے حصے کی بدبختی کو مزید پھیلایا اور مرزا قادیانی لعنۃ اللہ علیہ نے دعوی نبوت کیا امت انتشار کا شکار ہوئی دریں اثنا محمد حسین بٹالوی نے ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' لکھ کر انگریز کے خلاف جہاد کو حرام قرار دیا۔ قادیانی ملعونوں کا جو حشر مسلمانوں نے کیا اسے دیکھ کر مزید کسی میں دعوی نبوت کی ہمت تو پیدا نہ ہوئی۔ مگر مسعود احمد بی ایس سی نے ۱۳۸۵ھ بمطابق ۱۹۶۴ء میں جماعت المسلمین کی بنیاد رکھ کر امام مفترض الطاعۃ کا دعوی کیا اور یہی وہ شخص ہے جس کے عقائد ونظریات کی تاریکیوں کو مجھے نور حق کی ضیاء پاشیوں سے پاش پاش کرنا

ہے۔(انشاءاللہ)اللہ تعالی مجھے اپنی رحمت وقدرت سے اس مشن میں کامیاب فرمائے۔

ہے افق سے اک سنگ آفتاب آنے کی بات
ٹوٹ کر مانند آئینہ بکھر جائے گی رات

بانی جماعت مسعود احمد بی ایس سی

سید مسعود احمد۔ 1915 میں ہندوستان میں ایک بریلوی مکتبہ فکر کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم کے بعد آگرہ یونیورسٹی میں بی ایس سی کا امتحان دیا اور تقسیم ھند کے بعد پاکستان کے حصہ میں آنے والی دیگر بدبختیوں اور مصیبتوں کی طرح یہ بھی ایک مصیبت بن کر ارض پاک پر وارد ہوا۔اور شومئے قسمت سے پاکستان سکٹیریٹ میں نوکر بھرتی ہو گیا شوریدگی طبع سے مجبور ہو کر وہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور مسلک اھل حدیث میں شمولیت اختیار کر لی اور ان سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر تکفیر مسلمین کا طرز اپنایا اور بعد ازاں جماعت المسلمین کی بنیاد رکھی جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

موصوف ۱۴ فروری ۱۹۹۷ء بمطابق ۶ شوال ۱۴۱۷ھ بروز جمعہ فوت ہو گئے اور بعد میں زمام اقتدار اشتیاق احمد جیسے رنگین مزاج بزرگ کے ہاتھوں آئی جس کے باعث جماعت المسلمین کئی حصوں میں بٹ گئی۔

۱۲۴۶ھ ۱۸۲۵ء میں منصۂ شہود پر نمودار ہونے والے اس نومولود فتنہ اسلاف بیزاری نے دین میں تحریف والحاد کا وہ طوفان بدتمیزی بپا کیا ہے کہ امت مسلمہ ابھی ایک فتنہ کی سرکوبی سے فارغ نہیں ہوئی ہوتی کہ یہ نیا دردسر بنا دیتا ہے۔اور اس فتنہ نے ہزاروں لوگوں کو آوارگی مذہب کے نام پر اساطین امت سے کاٹ کر جھنم کا ایندھن بنا دیا ہے۔یوں یہودیت اور عیسائیت نے اسلام سے اپنی دشمنی کا خوب بدلہ لیا۔خود تو برصغیر سے چلے گئے مگر ارض ہند پر ایسی کانٹوں کی فصل کاشت کر گئے جو ہمیشہ رہروان حق کے پاؤں چھلنی کرتی رہیگی۔غلام احمد قادیانی کو مسند نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کی ترغیب دینے والا الحکیم نور الدین پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ،سر ظفر اللہ قادیانی کا

باپ، معجزات وکرامات کا منکر سر سید احمد خان، منکر حدیث اسلم جیراج پوری، غلام احمد پرویز بانی فرقہ مسعودیہ، مسعود احمد اسی شجرہ خبیثہ کے برگ بے ثمر ہیں مسعود احمد بی ایس سی، یہ شخص پہلے بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر غیر مقلد ہو گیا۔ اس نے جماعت غرباء اہلحدیث میں شمولیت اختیار کی سابقہ کلرک ہونے کی وجہ سے اردو کتابیں پڑھ لیتا تھا اور یہی اس کا علمی ماخذ تھا۔ مگر جماعت اہل حدیث میں شمولیت نے اسکی فطری کج روی میں مزید اضافہ کر دیا، اس شخص نے ایک فرضی مناظرہ بنام ''تلاش حق'' تصنیف کیا۔ جسکا مقصد جماعت اہلحدیث پر اپنی نام نہاد علمیت کی دھاک بٹھانا تھا اور جماعت غرباء اہلحدیث نے اس رسالہ کو خود چھپوا کر تقسیم کیا۔ اہل حدیث اس بات پر نازاں تھے کہ انہیں ایک محرف قلم کار مل گیا تھا۔ اس داد تحسین کے بعد اس نے ایک اور کتابچہ ''التحقیق فی جواب التقلید'' تصنیف کیا۔ دین کی بندشوں سے بیزار طبقہ نے خوب داد دی اور حضرت صاحب خوشی سے پھول گئے۔ کتنے کم ظرف ہیں غبارے چند سانسوں میں پھول جاتے ہیں۔ یہ حضرت صاحب بھی جامے میں نہ سمائے اور جماعت اہل حدیث کے علمی غریبوں میں امام وقت بن بیٹھے۔ جماعت غرباء اہل حدیث میں چونکہ سلسلہ امارت تھا جس کے باعث مسعود احمد کے دل میں مچلتا ہوا شوق امارت ہمیشہ تشنہ تکمیل ہی رہنا تھا لہذا انہوں نے ۱۹۶۴ء میں ایک ضمنی فرقی جماعت المسلمین اہل حدیث کی بنیاد رکھی۔ اور اہل حدیث کی لگائی ہوئی اضافی نسبت ختم کر دی۔ چنانچہ موصوف خود لکھتے ہیں ''ہم نے جماعت کی بنیاد ۱۳۸۵ھ میں ڈالی اور یہ کہ ہمارا اس جماعت سے تعلق ہے حالانکہ یہ الزام غلط ہے وہ جماعت ختم ہو چکی ہے ہمارا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں وہ ایک فرقہ کی ذیلی جماعت تھی اور اب ہم فرقہ واریت سے تائب ہو کر مسلم ہو چکے ہیں۔

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں ص ۵۵ سلسلہ اشاعت ۹۹)

اس جدید مسلم نے اسلام کے نام پر وہ گل کھلائے کہ ''بس رہے نام اللہ کا'' عقائد و اعمال میں اپنی باطل تحقیق اور فرسودہ نظریات کو نئے میک اپ کے ساتھ مزین کر کے چمن اسلام میں

خزاں کا جال بچھا دیا اور تقسیم کار کا ایسا عمل شروع کیا کہ اس کے پیروکار بھی شاخ در شاخ تقسیم ہونے لگے۔ گویا ہر ایک کا زبان حال سے یہ نعرہ تھا ''چوں ہما دیگرے نیست اسی طرح کی فرسودہ سوچ اور حیا باختگی نے ان کے ہر فرد کو ریت کے ذرات کی طرح علیحدہ کر رکھا ہے اور انکا مشن اصلی کہ امت میں نظریہ امت واحدۃ ختم ہو جائے وہ انکے ہر فرد کا نصب العین ہے ان عقل وخرد سے محروم اور علم فراست سے تہی دست حضرات جماعت المسلمین نے اصول وفروع میں امت مسلمہ سے ایسے ایسے اختلاف کیے کہ اب اصولی طور پر تو انہیں امت مسلمہ کا حصہ سمجھنا ہی مشکوک ہے جن کی مقصد زندگی ہی بنائے اسلام کی تحریف ہو اور یہودیت وعیسائیت کے ایجنڈے میں ہمہ تن مشغول ہیں وہ کہاں اسلام کا خیر خواہ ہو سکتے ہیں ان کے بہت سے عقائد ایسے ہیں جو امت مسلمہ کے کسی بھی مذہبی فرقہ سے میل نہیں کھاتے مذاہب اربعہ کو یہ خلاف اسلام بتاتے ہیں جس کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسے مجدد ملت فرماتے ہیں کہ اب مذاہب اربعہ ہی سواد اعظم ہے اور مذاہب اربعہ سے نکلنا گویا سواد اعظم سے نکلنا ہے۔

(عقید الجید مترجم ص ٦٢)

لیکن جماعت المسلمین والوں کے نزدیک یہ سب اسلام کے بالمقابل دوسرے گمراہ لوگ ہیں بانی فرقہ مسعود احمد نے اپنی کتاب جماعت المسلمین'' اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں ص۱۱۴ پر'' حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کو دین اسلام کے مقابل کے طور پر پیش کیا اور اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے ان مذاہب حقہ کو اسلام کی ضد ظاہر کیا ہے

جماعت المسلمین ہو یا اس کی ذیلی جماعتیں اس دور کے تمام اہل الحاد سے بالعموم اور جماعت المسلمین سے بالخصوص گفتگو کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل دس نکات پر عمل پیرا ہونے سے گفتگو نتیجہ خیز ثابت ہوگی انشاء اللہ ذیل میں دس اصول قلمبند کیے جانے میں لہذا ہر مناظرے سے پہلے ان کا خیال رکھا جائے۔

مناظرہ کے دس اصول

(۱) قرآن کریم اور حدیث مبارکہ سے فریقین اپنی اپنی دلیل خود لغت عربی میں بیان کریں۔
(۲) تقلید جماعت المسلمین والوں کے نزدیک شرک اور گمراہی کی جڑ ہے۔

تلاش حق ص ۵۱

لہذا مقلدان کے نزدیک مشرک ہوا اس لیے کسی مقلد کا ترجمہ و تفسیر یا روایت شدہ حدیث پیش نہ کرنے دیں۔

(۳) قرآن وحدیث سے جماعت المسلمین کا متکلم جو دلیل پیش کرے اس سے دلیل کی ایسی سند کا بھی مطالبہ کریں جس میں کوئی مقلد راوی نہ ہو تمام روات جماعت المسلمین کے مخصوص نظریات کا حامل ہوں۔

(۴) اصول تفسیر یا اصول حدیث بھی مقلدین کے پیش نہ کرنے دیں۔ بالخصوص لغت بھی کسی جماعت المسلمین کے فرد کی ہو جو لغوی معنی کو صرف قرآن وحدیث سے ثابت کرے۔

(۵) جمہور کے مقابلہ میں شاذ واجب الترک ہے۔ لہذا جس طرف جمہور ہوں گے ان کی اتباع کی جائے گی اور شاذ روایات واقوال کو ترک کیا جائے گا۔

(۶) گفتگو سے قبل اصل مسئلہ کی وضاحت کروائیں اور منکر کا حکم تحریر کروائیں۔

(۷) اگر بفضل اللہ تعالی فریق مخالف آپ کا موقف تسلیم کرلے تو اسی مجلس ہی میں تحریری توبہ کروالیں مزید تحقیق کے نام پر فرار کا موقع نہ دیں۔

(۸) ایک ماہر علوم دینیہ کو ثالث مقرر کریں جس کا فیصلہ جانبین تسلیم کریں۔

(۹) ایک مجلس میں ایک موضوع پر گفتگو کرلیں۔

(۱۰) تمام گفتگو کی ریکارڈنگ کا لازمی اہتمام کرلیں۔ اس لئے کہ گمراہ لوگ اللہ سے زیادہ ریکارڈنگ سے ڈرتے ہیں۔

جماعت المسلمین کے عقائد

جماعت المسلمین اور انکار افضلیت پیغمبر ﷺ:

ان اصولی مباحث کے بعداب جماعت المسلمین کے اس باطل نظریہ کا بیان ہے جس عقیدہ نے انہیں امت مسلمہ سے نکال کرایک کوڑھ کے مریض کی طرح تعفن زدہ نظریات کی غلاظت کی ڈھیر پر پھینک دیا ہے۔ان کا وہ نظریہ آپ ﷺ کے افضل البشر اور سیدالکائنات ہونے کا انکار ہے۔مسلمانوں میں موجود بیسیوں اختلافات کے باوجود آپ ﷺ کی افضلیت میں کسی مسلمان نے بھی آج تک کلام نہیں کیا مگر مسلمانوں اور اہل اسلام کی راہ سے ہٹ کر ان جماعت المسلمین والوں کا عقیدہ کہ نبیوں کو آپس میں فضیلت نہ دو کوئی نبی دوسرے نبی سے افضل نہیں۔اور اپنے اس شرم وحیاء سے عاری نظریے کو کتاب وسنت میں تحریف کر کے تحفظ دیتے ہیں۔کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: **لانفرق بین احد من رسله**. کہ اللہ کے رسولوں میں فرق نہ کرو۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

منہاج المسلمین (ص ۵۷)

دراصل یہ نصرانیت کا کا مسلسل ناکامیوں کے بعد ایک ایسا وار ہے جس کے ذریعے وہ نبی کریم ﷺ فداہ ابی وامی کی عزت وعظمت کو مسلمانوں کی نظر سے گرانا چاہتے ہیں۔عیسائیت کی دشمنی سرورکائنات ﷺ سے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔اگر ہم یہود ونصاریٰ کی ان خباثتوں کا جو تاریخ کے سینے پر ثبت ہیں،ان کا مطالعہ کریں اور جماعت المسلمین اور دیگر بعض فرق باطلہ کی دسیسہ کاریوں پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں پردہ سکرین پر ان اچھلتی کودتی پتلیوں کی ڈور کسی اور ہاتھ میں نظر آئے گی وہی ہاتھ جنہوں نے سرورکائنات ﷺ کے جسد اطہر کو چرا کر ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا مذموم قصد کیا اور ناکامی کے بعد جسد اطہر کی حفاظت کے لیے تعمیر کیا جانے والا گنبد خضراء گرانے کی مذموم کوشش کی مگر بارگاہ الست سے **واللہ یعصمك من الناس** کے وعدہ کی تکمیل ہوئی اور گنبد خضراء محفوظ رہا پھر ان باطل کے فرستادوں نے نیا رخ بدلا اور جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا انکار کر کے انہیں بے جان لاشہ قرار دیا گیا مگر امت کو ماسواء چند ناعاقبت اندیشوں کے اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ سے بھی محفوظ فرمایا۔اب پے در پے

شکستوں سے زخم خوردہ شیطانی لشکریوں نے سوچا چلواب آپ ﷺ کے افضل ہونے کا ہی انکار کر دیا جائے تا کہ کچھ تو یورپیوں کا حق نمک ادا ہو سکے۔

کہوں کس سے کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے

مجھے کیا برا تھا اگر مرنا ایک بار ہوتا

لہذا بالترتیب عیسائیت کی ان سازشوں کو بیان کیا جاتا ہے جو امت مسلمہ کو منتشر کرنے کے لیے مختلف اوقات میں سرانجام دی گئیں۔

پہلی سازش

مناظروں میں مسلمانوں سے پے در پے شکست کھانے کے بعد عیسائیوں نے سوچا کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے جسد اطہر کو چرا کر یورپ لایا جائے تا کہ مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز ختم ہو جائے۔ اس فعل بد کے سرانجام دینے کے لئے دو عیسائی تیار ہو گئے انتہائی انعام واکرام اور ترتیب دے کر انہیں مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۵۵۷ھ کو پیش آیا ان دونوں درندوں نے حجرہ عائشہؓ کے قریب مکان کرایہ پر لیا اور زمین دوز سرنگ نکالنا شروع کر دی جب ان کی سرنگ حجرہ عائشہ کے قریب پہنچی تو سلطان نورالدین زنگی جو کہ بادشاہ مصر تھا اور نہایت متقی اور عبادت گزار شخص تھے ان کو خواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ان نیلی آنکھوں والے کتوں سے محفوظ کرو آپ ﷺ کا خواب میں آنا برحق ہے لہذا شیطان آپ ﷺ کی شکل اختیار کر کے نہیں آ سکتا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے

ومن رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی

(بخاری رقم الحدیث 110 صحیح مسلم رقم الحدیث 2134 ابی داؤد رقم الحدیث 5023 ترمذی رقم الحدیث 2841 ابن ماجہ رقم الحدیث 34)

بادشاہ نے اپنے وزیر سے مشورہ کیا اور ڈاک کے گھوڑوں کے ذریعے فوراً مدینہ منورہ پہنچا اور اہل مدینہ کو جمع کیا ان میں انعام واکرام کی تقسیم کی اور ساتھ ساتھ ہر ایک کے چہرے کو غور

سے دیکھنے لگا مگر مطلوبہ افراد نہ مل سکے مزید تجسس سے معلوم ہوا کہ وہ یورپی بزرگ انعام لینے نہیں آئے وہ بہت ذاکر، شاکر اور فیاض ہیں۔ بادشاہ نے ان کے مکان کی تلاشی لی۔ سرنگ کا نشان مل گیا۔ پس قصہ مختصر بادشاہ نے ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالا اور آپ ﷺ کے روضہ مبارک کے گرداگرد پانی کی تہہ تک مضبوط دیوار بنائی تاکہ دوبارہ کوئی شقی و بدبخت جسد اطہر کی طرف ناپاک ہاتھ نہ بڑھا سکے یوں یہ سازش ناکام ہوئی۔ (وفاء الوفاء جلد۲ صفحہ ۶۴۸)

دوسری سازش

پہلی ذلت وناکامی کے بعد عیسائیت نے دوسرا وار کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے سے اور اوپر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے لہذا اس حدیث مبارک کا سہارا لے کر مسلمانوں میں یہ تحریک چلائی جائے کہ قبروں پر عمارت کی تعمیر غیر شرعی فعل ہے لہذا انہیں مسمار کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ گنبد خضراء کی تعمیر غیر شرعی ہے اور یہ تحریک عرب میں پورے شدومد سے چلائی گئی اور نجدی حضرات دانستہ یا نادانستہ طور پر استعمال ہوئے اور آپ ﷺ کے روضہ کا بھی قصد کیا مگر چونکہ یہ موضوع نازک تھا اس لئے ہندوستان کے علماء سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا گیا۔ پس ہندوستان سے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے وکالت کا حق ادا کیا اور شاہ سعود کے سامنے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ روضہ اقدس عام لوگوں کی قبور کی طرح نہیں ہے بلکہ عام امتی اور نبی کی قبر میں فرق ہوتا ہے عام امتی کے جسم کی حفاظت مقصود بالذات نہیں جب کہ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کی حفاظت مقصود ہے۔ لہٰذا سعودی حکومت نے گنبد خضراء سے کوئی تعارض نہیں کیا۔

گنبد خضریٰ کی تاریخ:

جب آپ ﷺ کا سانحہ ارتحال وقوع پذیر ہوا تو صحابہ میں اختلاف ہوا کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر کہاں دفن کیا جائے مسلمانوں کے قبرستان میں یا کوئی آپ ﷺ کی تخصیص ہے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا **سمعت من رسولاللہ ﷺ شیئا ما نسیتہ قال ما قبض اللہ نبیاالا فی الموضع الذی یحب أن یدفن فیہ ادفنوہ فی موضع**

فراشه (موطا امام مالک ص ۲۲۰ ابن ماجہ ص ۱۱۷)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک بات سنی ہے جسے بھولا نہیں ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کسی نبی کی روح قبض نہیں کرتا مگر اس جگہ میں جہاں وہ دفن ہونا چاہتا ہو۔ لہذا جناب رسالت مآب ﷺ کو ان کے بستر کی جگہ پر دفن کیا جائے۔ چنانچہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنھا میں آپ ﷺ کی تدفین ہوئی اور فقہ حنفی کی معتبر کتاب مراقی الفلاح میں عبارت کچھ اس طرح ہے

:ویکرہ الدفن فی البیوت لاختصاصہ بالا انبیاءؑ قال الکمال لا ید فن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فان ذالك خاص بالانبیاءؑ بل یدفن فی مقابر المسلمین۔

ترجمہ: گھروں اور کمروں میں میت کو دفن کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ انبیا ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور کمال نے کہا اس گھر میں نہ چھوٹے نہ بڑے کو دفنایا جائے جس میں وہ مرا ہے کیونکہ یہ انبیاء ﷺ کی خصوصیت ہے یا انبیا ﷺ کے علاوہ عام لوگوں کو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جائے مندرجہ بالا حدیث مبارک سے بات واضح ہوئی کہ نبی کے قبر ہوتی ہی چاردیواری کے اندر ہے اور روضہ اطہر پر بھی اول ہی دن سے عمارت موجود تھی جس پر نہ کسی نے نکیر کی نہ کفروشرک فتوے صادر کئے لہذہ پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گنبد خضراء کا تاریخی پس منظر پیش منظر کو اجاگر کیا جائے اس لئے کہ اسکا ذکر ہی سکون قلب وجگر ہے۔ اسکے بعد تیسری ناکام سازش کے خدوخال واضح کیے جائیں'' تاریخ مدینہ منورہ مصنف مولانا عبدالمعبود میں گنبد خضراء کی تاریخ پر بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے تاہم مختصر گنبد خضراء اور روضہ اطہر کی تعمیر وتزئین کو تاریخی حوالے سے دیکھتے ہیں (۱) بارہ ربیع الاول گیارہ ہجری مئی ۶۳۲ء بروز سموار جناب رسالت مآب ﷺ عالم دنیا سے عالم برزخ میں منتقل ہوئے اور حجرہ عائشہؓ میں محو استراحت ہوئے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے (ابن ماجہ ص ۱۱۷ موطا امام مالک ص ۲۲۰)

۲۲ جمادی ثانی ۱۳ ہجری ۶۳۴ء کو صدیق اکبرؓ بھی واصل بحق ہوئے اور حجرہ شریف میں دفن ہوئے

(طبقات ابن سعد ج ۳ص ۵۲ طبقات)

یکم محرم ۲۴ھ ۶۴۵ء کو سیدنا فاروق اعظمؓ بھی آقا دوجہاں کے قدموں میں راحت گزیں ہوئے

(طبقات ابن سعد ج ۳ص ۹۸ ۷)

بعد میں قبر مبارک پر موجود حجرہ مقدسہ کی تعمیری اور اسلاح کا کام تھوڑا بہت جاری رہا البتہ ۰۶ ۷ھ میں ولید بن عبدالملک کے عہد مین حجرہ شریفہ کی مشرقی دیوار گر گئی۔اس وقت مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے خوش نصیب معمار وردان کو بلا کر دیوار تعمیر کروائی ۔(وفاء الوفاء لسمہو دی ج ا ص ۳۸۷)

بعد مین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجرہ انور کی حفاظت کے لئے پانچ کونوں والی دیوار بنادی جو مسجد کی چھت تک بلند تھی اس پر نہ چھت تھی اور نہ اسمیں دروازہ تھا(اخبار مدینہ ص ۱۳۸،۱۴۰،وفاء الوفا ج ا ص ۴۰۱

۱۹۳ھ ۸۰۸ء میں خلیفہ ہارون الرشید کے گورنر ابوالبحتر کے زمانے میں مسجد نبوی ﷺ کی چھت تعمیر و مرمت کے لئے اتاری گئی تو حجرہ انور کے چھت بھی منہدم تھی اور سات لکڑیاں ٹوٹی ہوئی تھیں لہذہ نئی لکڑیوں کے ذریعے اصلاح و مرمت کا کام مکمل کیا گیا (وفاء العفا ج ا ص ۳۹۹)

۵۴۸ھ ۱۱۵۳ء میں وزیر جمال الدین بن زنگیؒ نے حجرہ شریفہ کی تجدید کروائی اور دیواروں کے چاروں طرف قد آدم سنگ مرمر لگایا۔انبوس اور صندل کی قیمتی لکڑی سے جالی بنوا کر مزکورہ پنچ گوشہ احاطہ کے باہر نصب کروائی تعمیر و تزئین کا حسین فریضہ ابوالغنائم البغدادی نے بطریق احسن پورا کیا۔(اخبار مدینہ ص ۱۳۹،۱۳۸)

اسی سال ایک اور واقعہ پیش آیا کہ حجرہ شریفہ میں دھماکہ کی آواز سنی گئی جسکی حقیقت معلوم نہ ہونے پر قاسم بن محنہ الحسینی کو واقعہ کی اطلاع دی گئی موصوف نے شیخ المشائخ رئیس الاتقیاء الشیخ عمر النسائی کو رسیوں کی مدد سے حجرہ شریف میں اتارا تو پتہ چلا کہ چھت اور دیوار کا کچھ حصہ قبر مبارک پر گرا پڑا ہے لہذہ انہوں نے وہاں پہنچ کر صفائی کی اور اپنی ریش مبارک سے ان قبور مقدسہ

پر جھاڑوں دیا۔

(اخبار مدینہ ص ۴۲، معالم دار الہجرہ ص ۸۳ تاریخ مدینہ منورہ ص ۵۱۹)

عقل جب تک راہ اہل عشق پر آئی نہ تھی
وسعتیں حاصل تھیں لیکن ان میں گہرائی نہ تھی۔

۸۸۸ھ ۱۴۸۳ء میں سلطان قیتبائی نے پیتل کی نئی جالی بنوائی جو صناعی کا نادر نمونہ تھی اس میں چار دروازے باب الرحمتہ، باب الوفود، مغرب کی سمت اور مشرق کی سمت باب الفاطمہؓ اور شمال کی طرف باب التہجد بنایا (رحلتہ الحجازیہ ص ۲۳۶)

۶۷۸ھ ۱۲۷۹ء میں ملک منصور قلادون الصالحی نے گنبد تعمیر کروایا۔ اس پر زرد رنگ کی پلیٹیں لگوائی۔ ۷۶۵ھ ۱۳۶۳ء میں ملک اشرف شعبان بن حسین بن محمد عہد خلافت میں رنگ کی پلیٹیں اکھڑ جانے کی وجہ سے گنبد از سر نو تعمیر کروایا (معلم دار الہجرۃ ص ۸۱)

۸۸۱ھ ۱۴۷۶ء میں گنبد کی بعض لکڑیوں میں خلل آ گیا جس کو الشمّس بن الزمن نے درست کیا۔ ۸۸۶ھ ۱۴۸۱ء میں دوسری مرتبہ آتش زدگی کے باعث گنبد وغیرہ جل کر راکھ ہو گیا جس کے باعث مسجد اور گنبد تعمیر کیا گیا۔ جو پنج گوشہ دیوار کے گرد بنائے گئے ستونوں پر قائم تھا لیکن اتفاق سے تعمیر کے ساتھ ہی گنبد میں شگاف پیدا ہوا جس کو مصر سے سفید چونا منگوا کر اسکو بے حد مستحکم تعمیر کیا گیا۔ ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء میں سلطان سلیم عثمانی نے حجرہ مقدسہ پر انتہائی دلفریب گنبد تعمیر کروایا اور اسے پتھروں سے سجایا۔ (تاریخ الحرمین ندوی)

۱۲۲۸ھ ۱۸۱۳ء میں سلطان محمد علی پاشا نے دوبارہ حجرہ مقدسہ کی تعمیر کروائی۔ ایک سونے کا شمع دان اور دو چاندی کے شمع دان حجرہ مقدس میں سجائے۔ تیرہویں صدی ھ میں گنبد پر پھر شگاف نمودار ہوا جس باعث ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء میں سلطان محمود بن سلطان عبد الحمید عثمانی نے نیا گنبد بنوایا۔ اور اس پر سبز رنگ کروایا۔ جس کی وجہ سے گنبد خضراء کے نام مشہور ہوا اور آج تک مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ یہ تو تھی آ آپ ﷺ کی قبر مبارک کی وہ خصوصیت جس کی بنا آپ ﷺ کی قبر مبارک پر

عمارت شروع سے موجود تھی۔ مگر برا ہوا شیطان کا جو انسانوں کو راہ راست سے بھٹکا کر افتراق و انتشار پیدا کرتا ہے آپ ﷺ کی وہ حدیث مبارکہ جو عام قبور کے متعلق تھی ساری کی ساری روضہ اطہر پر فٹ کی گئی اور اپنے مزعومہ نظریہ کو ہی دین بنا کر پیش کیا گیا۔ اور پوری امت کا ہمیشہ کا عمل قبر اقدس کی حفاظت اور اوپر عمارت کی تعمیر و تزئین کا عمل اپنی گستاخیوں کو توحید قرار دینے والوں کی شریعت میں حرام قرار پایا اور کچھ اسران شکم نے عیسائیت کے پہلے وار کی ناکامی کو دوسری سازش کے ذریعے کامیاب کرنے کے لئے فتویٰ دیا کہ قبروں کو بلند کرنا ان پر تعمیر کرنا یہ شرعا درست نہیں ہے۔

فهومن منكرات الشر عيته التى يجب على المسلمين انكارهاوتسويتهامن غير فرق بين بنى وغير ه بنى وصالح وطالح

(الروضہ الندیہ ج ا ص ۱۷۸)

یہ جناب نواب صدیق حسن قنوجی کی مایہ ناز تصنیف ہے جس میں وہ کہ رہا ہے ہیں۔ کہ نبی اور غیر نبی کا فرق کیے بغیر قبروں کو زمین کے برابر کر دیا جائے۔ اسی فکری عیاشی کے علمبردار جناب مسعود الدین عثمانی اپنی پمفلٹ یہ مزار یہ میلے ص ۱۰ پر رقمطراز ہے کہ سات سو سال تک قبر شریف پر کوئی عمارت نہ تھی اور یہ عمارت کا بننا ایک برا فعل تھا'' یہ عیسائیت کی دوسری سازش ہے کہ کسی نہ کسی طرح روضہ اقدس کو شہید کر دیا جائے تا کہ وحدت امت پارہ پارہ ہو جائے جبکہ عقیدت کا مرکز ہی ختم ہو گیا تو مسلمانوں کے پاس بچا ہی کیا ہو گا یہی وجہ ہے کہ آئے روز یہودی اور عیسائی پوپ مکہ اور مدینہ پر بمباری کرنے کی دھمکی دیتے رہتے ہیں اور جو دشمنی مکہ اور مدینہ سے یہود و نصاری کو ہے وہی دشمنی ان جماعت المسلمین والوں کو ہے۔ مگر ان شیطان کے فرستادوں اور دجالی مشن رکھنے والی اس بے تحقیق نسل کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو گا۔ انشاء اللہ

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو ہمارے آزمائے ہوئے ہیں۔

تیسری سازش اور اسفار شرعیہ

مسعود احمد بی ایس سی طبعا بزدل ہونے کیوجہ سے کھل کر روضۂ اقدس گرانے کی بات نہ کرسکا۔ دبے لفظوں میں امت کو اسکی زیارت سے روکنے کیلئے بعض علماء کے علمی اختلاف کا سہارا لیا اور کہا کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور گھر کی نیت سے سفر کرنا حرام ہے۔ اور لوگوں کو زیارت قبر نبی سے روکنا تیسری سازش ہے۔ جس کے ذریعے وجود مسعود کو بے حیثیت ثابت کرنا ہے۔ اور عقیدت کے مرکزیت کو ختم کرنا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے:

مسجد حرام، بیت المقدس، اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور مقام کی زیارت کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ (توحید المسلمین ص ۳۰۵ تا ۳۰۶)

اردو کتاب کا سطحی مطالعہ رکھنے والے افراد چونکہ علم وفقاہت سے کورے ہوتے ہیں اس لئے روایت پرستی کے لبادے میں اپنی علمی بے مائیگی کو چھپا لیتے ہیں اور احادیث کے مجملات پر اپنی خودساختہ تحقیق کے محلات تعمیر کر لیتے ہیں۔ سفر کی کتنی اقسام ہیں اور کہاں سفر جائز ہے اور کہاں کا ناجائز ان مباحث میں جو علم درکار تھا اس سے مسعود احمد تہی دست تھے لہذا اہم افادہ عام کیلئے اس کی تفصیل بیان کیے دیتے ہیں

استاد المکرّم شیخ الحدیث حضرت مفتی محمد طاہر مسعود صاحب دامت فیوضھم نے احکام سفر پر ایک بے انتہا وقیع اور تحقیقی کتاب قلمبند فرمائی ہے افادہ قارئین کیلئے استاد محترم کی بیان کردہ تفصیل کو بلاکم وکاست یہاں نقل کیا جاتا ہے اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالی استاد مکرم کیلئے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

سفر کی اقسام

مختلف جہات کی اعتبار سے سفر کے متعدد اقسام بن جاتی ہیں۔ ہم یہاں صرف احکام شرع کے اعتبار سے سفر کے اقسام بیان کریں گے۔ شرعی اعتبار سے سفر کی چھ قسمیں ہیں فرض، واجب، مستحب، جائز، مکروہ، حرام

فرض سفر:

احقر کی جستجو اور تلاش کے اعتبار سے فرض سفر چھ قسم کا ہے۔ ذیل میں ان کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) سفر ہجرت:

سفر ہجرت کا مطلب ہے "دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف آنا" ہجرت عہد رسالت ﷺ میں فرض تھی فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی سے ہجرت کی فرضیت کو منسوخ کر دیا۔

"**لاهجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونيته**" (صحیح بخاری شریف ج۲ص۲۵۲ رقم الحدیث 2783 مسلم رقم الحدیث 1353 ترمذی رقم الحدیث 1590 نسائی رقم الحدیث 4170)

"فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، لیکن جہاد اور نیت باقی ہے"

اس زمانے میں ہجرت کی تین قسمیں یا تین طرح کے حکم ہیں،

(۱) جو مسلمان دارالحرب میں ہو وہاں اپنے دین کے بارے میں مامون نہ ہو اور فرائض و واجبات شرعیہ کی ادائیگی سے قاصر ہو۔ اور ہجرت پر قادر ہو تو اسکو اپنا ایمان بچانے کی خاطر دارالحرب (دارالکفر) سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے۔

(۲) دارالحرب میں فرائض و واجبات شرعیہ پر قدرت ہو اور دین کے بارے میں مامون بھی ہو، اس صورت میں ہجرت کرنا اور دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں آنا مستحب ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے ملک میں انکی قوت و شوکت بڑھے۔ اور ہجرت کرنے والا کفار کی چالبازی اور ان کی برائی و بے حیائی کے کاموں سے بچ جائے۔

(۳) ہجرت فرض یا مستحب ہونے کی صورت میں کسی عذر مثلاً قید یا مرض وغیرہ کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکنے والے کیلئے مجبوری میں دارالحرب میں رہنا جائز ہے۔ اس صورت میں اگر تکلیف برداشت کر کے ہجرت کرے تو ثواب و اجر کا مستحق ہوگا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۳۲۔ عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۸۰)

(۲) سفر حج:

جس شخص کے پاس حج کے اخراجات اپنی حاجات اصلیہ سے جائز موجود ہوں اور اپنے زیر کفالت لوگوں کے نان ونفقہ کا بندوبست بھی کرسکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے۔ اور ادائیگی حج کیلئے سفر حج بھی فرض ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا" (سورۃ ال عمران آیت ۹۷)

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمے اس مکان کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے جو طاقت رکھے وہاں تک سبیل کی۔ (بیان القران ج ا ص ۴۱)

(۳) جس جگہ حرام غالب ہو وہاں سے نکل جانا:

جس جگہ حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا بھی فرض ہے۔ اس لئے کہ ہر مسلمان پر حلال مال کی طلب فرض ہے۔ (احکام القران لابن عربی ج ا ص ۴۸۶، تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۳۵۱، معارف القران ج ۵ ص ۳۳۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

"طلب كسب الحلال فريضة بعدالفريضة" (رواة البيهقى فى شعب الايمان ج٦ ص ٤٢٠)

"اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض شرعیہ کے بعد حلال کمانا فرض ہے"

بظاہر حرام کی جگہ سے نکلنا اور کوچ کر جانا اس وقت فرض معلوم ہوتا ہے جبکہ وہاں حلال کمانے پر قدرت نہ ہو اگر وہاں رہ کر حلال کمایا اور کھایا جاسکتا ہو تو وہاں سے نکلنا فرض نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم،

(۴) حصول علم کیلئے سفر کرنا:

اپنی دینی ضرورت کے بقدر علم حاصل کرنا اور پیش آمدہ مسائل کے شرعی حل کو جاننا فرض ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ **"طلب العلم فريضة على كل مسلم"** (مجمع

الزوائدج اص ۱۱۹)

اپنے شہر میں اگر علم فرض حاصل ہوسکتا تو اس کیلئے سفر کرنا دوسرے شہر جانا فرض نہیں ہوگا۔ اور اگر اپنے شہر میں علم فرض کا حصول ممکن نہ ہو تو اس کے لئے اپنے شہر کو چھوڑنا اور کسی ایسے شہر کی طرف سفر کرنا جہاں اہل علم موجود ہوں' فرض عین ہے۔ (ردالمختار ج ٦ ص ۴۰۸)

اپنی ضرورت سے زائد دین حاصل کرنا یعنی مکمل عالم بننا اور علم دین میں کمال حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔فرض کفایہ کا حصول اگر اپنے شہر میں ممکن نہ ہو تو اس کے لئے سفر کرنا فرض کفایہ ہوگا۔ ہر علاقے کے اتنے افراد کا علم حاصل کرنا ضروری ہوگا۔جن سے علاقہ بھر کی دینی ضرورت پوری ہو جاتی ہوں۔اگر کوئی ایک بھی یہ علم حاصل نہیں کرے گا تو علاقہ کے سارے لوگ گنہگار رہوں گے۔

نابالغ بچے کا حصول علم کیلئے سفر کرنا:

نابالغ بچے کا والدین کی اجازت کے بغیر سفر علم کیلئے نکلنا جائز نہیں۔تاہم دو شرطوں کے پائے جانے پر والدین کی اجازت کے بغیر بھی جانا جائز ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سفر علم فرض عین کیلئے ہو،جس علم کا حاصل کرنا اس کیلئے فرض نہیں اس کیلئے والدین کی اجازت کے بغیر سفر جائز نہیں ہے۔اس لئے کہ والدین کی اطاعت فرض عین ہے اور اس علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔فرض کفایہ کیلئے فرض عین کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ حصول علم کیلئے جانے والا باریش ہو بے ریش بچے کیلئے والدین کی اجازت کے بغیر سفر علم کرنا جائز نہیں ہے۔

(الدر المختار ج ٦ ص ۴۰۸۔فتاوی عالمگیریہ ج ۵ ص ۳٦٦)

(۵) سفر جہاد:

جہاد بعض حالات میں فرض عین ہوتا ہے اور بعض حالات میں فرض کفایہ،فرض عین ہونے کی صورت میں سفر جہاد کیلئے والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں،جیسا کہ فرض نماز کیلئے والدین

کی اجازت کی ضرورت نہیں جہاد فرض کفایہ ہونے کی صورت میں والدین کی اجازت ضروری ہے، والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر جانا جائز نہیں، اس لئے کہ والدین کی اطاعت فرض عین ہے اور فرض عین کو فرض کفایہ کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ (الدر المختار ج ۴ ص ۱۲۴، ۱۲۵۔)

رہا یہ مسئلہ کہ جہاد کب فرض عین ہوتا ہے اور کب فرض کفایہ اس کیلئے بوقت ضرورت مستند علماء کرام سے رجوع کر لیا جائے۔

(۶) سفر معاش:

بسا اوقات آدمی کو اپنے شہر یا گاؤں میں کوئی روزگار نہیں ملتا اور بھوکوں مرتا ہے تو اس صورت میں طلب رزق کیلئے دوسری جگہ سفر کرنا تا کہ وہاں جا کر محنت مزدوری کرے، یا شکار کرے یا لکڑی وغیرہ کاٹ کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالے۔ یہ سفر بھی فرض ہے اس لئے کہ طلب کسب حلال فرض ہے جیسا کہ نمبر ۳ میں حدیث گزر چکی ہے۔ (احکام القران لابن عربی ج ا ص ۴۸۶، تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۳۵۱،)

مستحب سفر:

مستحب سفر سے مراد وہ سفر ہے جس کا کرنا باعث اجر وثوب ہو اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہ ہ۔ مستحب سفر کی چند اقسام ہیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) سفر عبرت:

عبرت کیلئے اور اللہ کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کیلئے اور پچھلی امتوں کے نافرمانوں کا انجام دیکھنے کی غرض سے سفر کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالی نے خود اس سفر کا شوق اور رغبت دلائی۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم" (سورة یوسف، آیت ۱۰۹)

"تو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے

ہو گذرے ہیں‘‘ (بیان القران ج ا ص ۱۰۱)

حضرت ذوالقرنینؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے پوری دنیا کا سفر اس لئے کیا تھا تا کہ اللہ تعالی کی تخلیق کے عجائبات اور قدرت کے پیدا کردہ فطری مناظر کا نظارہ کر سکیں۔

(احکام القران لابن عربی ج ا ص ۴۸۶)

(۲) زیارت مسلم کے لئے سفر کرنا:

مسلمان بھائی کی زیارت کے لئے بھی سفر کرنا بھی مستحب ہے۔صحیح مسلم میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا: ’’ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کے لیے دوسری بستی کی طرف چلا، اللہ تعالی نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ کھڑا کر دیا، فرشتے نے اسے کہا: آپ کدھر جا رہے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں فلاں بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کیلئے جا رہا ہوں فرشتے نے کہا: اس کے علاوہ بھی کوئی کام ہے؟ اس شخص نے جواب دیا اپنے اس بھائی سے اللہ کیلئے محبت کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں فرشتے نے کہا: میں تمہاری طرف اللہ تعالی کا فرستادہ ہوں، اللہ تعالی نے مجھے تمہاری طرف یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ اللہ تعالی تمہارے ساتھ محبت فرماتے ہیں جیسا کہ تم اپنے بھائی سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۹۸۸، حدیث ۲۵۶۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کیلئے جانا اور اس غرض سے سفر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ ابن عربی، قرطبی، مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنی تفاسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ (احکام القران لابن عربی ج ا ص ۳۸۶، تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۳۵۱، معارف القران ج ۵ ص ۳۳۱)

اسی طرح والدین کی زیارت کے لئے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کے لئے بیمار لوگوں کی عیادت کے لئے اور انہی جیسے دوسرے کاموں کے لئے بھی سفر کرنا مستحب ہے۔ (مواھب الجلیل ج ۳ ص ۱۳۹، کشاف القناع ج ا ص ۵۰۳، الانصاف ج ۲ ص ۳۱۶)

(۳) مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا:

مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا بھی مستحب ہے۔ مثلاً مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے سفر کرنا ان کے علاوہ دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔ (معارف القران ج ۵ ص ۳۳۱)

(۴) روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنا:

انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر صلحاء کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا، بالخصوص نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا نہ صرف مستحب بلکہ اعظم القربات یعنی عظیم ترین نیکی ہے۔ ذیل میں ہم چاروں فقہوں۔ فقہہ حنفی، فقہ مالکی، فقہہ شافعی، اور فقہہ حنبلی کی عبارات پیش کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہؒ کے ہاں نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا نہ صرف مستحب بلکہ افضل ترین عبادت ہے۔

فقہہ حنفی کی عبارات

درمختار میں ہے: ''اور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا مستحب ہے، اور جس شخص کو مالی وسعت حاصل ہو اس کیلئے واجب بھی کہا گیا ہے حج فرض ہونے کی صورت میں پہلے حج کرے (پھر زیارت کرے) اور نفلی حج کی صورت میں اختیار ہے (تفصیل بالا اسوقت ہے) جب مدینہ منورہ کے راستے سے نہ گذرے، اور اگر مدینہ منورہ کے راستے سے گذرے تو بہر صورت پہلے قبر مبارک کی زیارت کرے (پھر حج کرے) اور ساتھ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت بھی کرلے''

(الدر المختار ج ۲ ص ۶۲۷)

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ نے تفصیل سے اس کے مستحب ہونے کو ثابت فرمایا ہے، اختصار کے پیش نظر ان کی عبارت کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

''حج کیلئے جانے والا اگر مدینہ منورہ سے ہو کر گزرے جیسے اہل شام، تو بہر صورت پہلے قبر مبارک کی زیارت کرے، اس لئے کہ مدینہ منورہ کے قریب سے گزرنا اور قبر مبارک کی زیارت نہ کرنا بہت بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ میری رائے میں مناسب یہ ہے کہ صرف قبر مبارک کی زیارت ہی کی نیت کرے قبر مبارک کی زیارت کے ساتھ اس کو مسجد نبوی کی زیارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ ایسا کرنے میں نبی کریم ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے، اور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی اس کی تائید میں ہے: ''جو شخص میری زیارت کو آیا اور سوائے میری زیارت کے اس کو کوئی حاجت نہ تھی تو مجھ پر لازم ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں،، (معجم طبرانی عن ابن عمرؓ ج ۱۲ ص ۲۹۱)

اور رحمتی نے ملا عارف جامیؒ سے نقل کیا ہے: قبر مبارک کی زیارت کے لئے حج سے الگ سفر کرے، تاکہ اس سفر میں سوائے قبر مبارک کی زیارت کے کوئی اور مقصد نہ ہو (اس سے حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی' (ردالمختار ج ۲ ص ۶۲۷)

علامہ طحطاویؒ مراقی الفلاح کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں: ''**قالوا: ان كان الحج فرضا قدمه عليها، والاتخيرو الاولى فى الزيارة تجريد النية لزيارة قبره ﷺ''**

(حاشیہ طحطاوی علی المراقی الفلاح ص ۴۴۷)

''علماء نے فرمایا ہے: اگر حج فرض ہو تو اس کو زیارت قبر پر مقدم کرے۔ اگر فرض نہ ہو تو دونوں طرح اختیار ہے، اور قبر مبارک کی زیارت کے سفر میں نیت صرف زیارت قبر ہی کی زیادہ بہتر ہے۔

فقہہ مالکی کی عبارات

الشرح الصغیر میں ہے:

"وندب زيارة النبى ﷺ وهى من اعظم القربات" (الشرح الصغير ج ۲ ص ۷۱)

''اور نبی کریم ﷺ کی (قبر مبارک) کی زیارۃ مستحب ہے اور یہ سب نیکیوں سے بڑھ کر نیکی ہے''

فقہہ مالکی کی اس معتبر کتاب کی تعبیر بڑی عجیب اور پر کیف ہے اس میں قبر مبارک کی زیارت کو نبی کریم ﷺ کی زیارت قرار دیا ہے۔

اس کی شرح میں علامہ صاویؒ فرماتے ہیں: ''**وحق علی کل مسلم زیارتها، فالرحلة الیها مامور بها واجبة، ای متاکدة علی المسلم المستطیع له سبیلا**،، (**الشرح الصغیر مع حاشیه الصاوی ج۲ ص ۷۱**)

''ہر مسلمان پر قبر مبارک کی زیارت واجب ہے چنانچہ قبر مبارک کی طرف سفر کرنا مامور بہ اور واجب ہے، یعنی ہر اس مسلمان کے لئے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو، تاکیدی حکم ہے۔

الخرشی میں ہے: **ان زیارة قبر النبی ﷺ من اعظم القربات التی یرجح فعلها علی ترکها" (الخرشی ج۲ ص۳۴۴)**

''بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت ان عظیم ترین نیکیوں میں سے ہے جن کے کرنے کو ترک پر ترجیح دی جاتی ہے''۔

فقہہ شافعی کی عبارات

مغنی المحتاج میں ہے: ''**او سفراً مندوباً کزیارة قبر النبی ﷺ**،، (مغنی المحتاج ج۱ ص ۲۶۸)

''یا مستحب سفر ہو، جیسے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت (کیلئے سفر) کرنا''

شارح مسلم علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"اعلم ان زیارة قبر النبی ﷺ من اهم القربات وانجح المساعی--- وینوی الزائر مع الزیارة التقرب وشدالرحل الیه" (المجموع للنوویؒ ج۸ ص۲۱۵)

''اس بات سے باخبر رہنا چاہئے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا، اہم ترین نیکی اور عمدہ ترین مساعی میں سے ہے، اور زائر کو زیارت کی نیت کے ساتھ تقرب الی اللہ اور قبر مبارک ہی کی طرف سفر کی نیت کرنی چاہیے۔

فقہہ حنبلی کی عبارات

کشاف القناع میں ہے:

"واذا فرغ من الحج استحب له زيارة قبر النبی ﷺ وقبری صاحبيه ابی بكرؓ وعمرؓ لحديث الدارقطنی... قال ابن نصرؒ لازم استحباب زيارة قبره ﷺ، استحباب شدالرحل اليها لان زيارته للحاج بعد حجه لاتمكن بدون شدالرحل، فهذا كالتصريح باستحباب شدالرحال لزيارهﷺ" (كشاف القناع ج۲ ص۵۹۸)

''حج سے فارغ ہونے کے بعد حاجی کیلئے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک اور آپ کے دونوں صحابہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبور کی زیارت مستحب ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو دارقطنی نے نقل کیا ہے.... ابن نصرؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا مستحب ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا مستحب ہو، اس لئے کہ حاجی کے لئے اس نیت سے سفر کے بغیر زیارت ممکن نہیں گویا یہ اس بات کی تصریح ہے کہ صرف قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا مستحب ہے''

ان فقہی عبارات سے یہ بات بڑی وضاحت سے معلوم ہو رہی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا اور اس مقصد کے لئے سفر کرنا مستحب ہے، حتی کہ بعض حضرات نے اس کو واجب بھی قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا فقہی عبارات کے بعد اس موضوع پر چند احادیث کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں بھی قبر مبارک کی زیارت اور اس مقصد کے لئے سفر کا مستحب ہونا معلوم ہو جائے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں قبر مبارک کی زیارت کیلئے سفر کا مستحب ہونا

(۱) عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ. "من زار قبری وجبت له شفاعتی"

(شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۴۹۰، حدیث ۴۱۵۹، سنن الدار قطنی ج ۳ ص ۲۷۸، آثار السنن: ۵۴۵، وقال اسنادہ حسن)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی''

(۲) "وعن عبدالله بن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من جائنی زائراً لاتحمله حاجة الا زيارتی كان حقا علی ان اكون له شفيعا يوم القيامة"

(معجم کبیر للطبرانیؒ ج ۱۲ ص ۲۹۱، حدیث ۱۳۱۴۹)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری (یا میری قبر کی) زیارت کیلئے آیا اور آنے کا باعث سوائے میری زیارت کے اور کچھ نہ تھا تو مجھ پر لازم ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں''

یہ دونوں حدیثیں اپنے الفاظ کے عموم کے اعتبار سے دور سے سفر کر کے آنے والوں اور نزدیک سے سفر کر کے آنے والوں، سب کو شامل ہیں، بالخصوص دوسری حدیث کے الفاظ ''من جائنی زائراً'' (جو میری زیارت کے لئے آیا) سفر کے معنی میں زیادہ واضح ہے، بلکہ ''محض زیارت ہی کی نیت سے'' سفر کرنے والے کے حق میں ہے۔ (شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام۔۱۰۱) اس سے سفر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کا مستحب ہونا واضح ہے۔

(۳) وعن طلحة بن عبيداللهؓ قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ نريد قبور الشهداء حتى اذا اشرفنا على حرة واقم، فلما تدلينا منها واذا قبور بمحبية قال؛ قلنا يا رسول الله ﷺ اقبور اخواننا هذه؟ قال: قبور اصحابنا، فلما جئنا قبور الشهداء قال: هذه قبوراخواننا" (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۸، حديث ۲۰۴۳)

''حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہداء کی

قبروں کی زیارت کے لئے نکلے، یہاں تک کہ ہم واقم (ٹیلے) کی پتھریلی جگہ پر چڑھ گئے، جب ہم اس سے نیچے اترے تو اس سے نیچے ایک طرف قبریں تھیں، طلحہؓ کہتے ہیں ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں: (جنکی زیارت کے لئے ہم آئے ہیں)

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں، جب ہم شہداء کی قبروں کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں (جن کی زیارت کے لئے ہم آئے ہیں)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہداء کی قبروں کی زیارت کیلئے جانا مستحب ہے، تو نبی ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے جانا بطریق اولی مستحب ہوا۔

حضرت بلالؓ کا قبر مبارک کی زیارت کیلئے سفر کا عجیب وغریب واقعہ

(۴) حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: "**ماهذه الجفوة يابلال، اما اٰن لك ان تزورني يا بلال**". "بلال یہ کیا بے وفائی ہے؟ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے (مدینہ) آؤ"

بلالؓ گھبراہٹ کی عالم میں نیند سے بیدار ہوئے، سواری پر سوار ہوئے۔ مدینہ منورہ پہنچے، اور قبر مبارک پر حاضری دی، وہاں روتے رہے، اپنے چہرے کو قبر مبارک پر ملتے رہے۔ اتنے میں حسنؓ وحسینؓ آگئے، حضرت بلالؓ نے دونوں کو گلے سے لگالیا پیار کیا، نواسوں نے فرمائش کی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو اذان دیا کرتے تھے ہم وہی اذان سننا چاہتے ہیں، اوپر چڑھیئے اور اذان دیجیئے، بلالؓ اس جگہ کھڑے ہوگئے جہاں نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کھڑے ہوکر اذان دیا کرتے تھے، اذان شروع کی، "**الله اكبر، الله اكبر**" کہا تو سارا مدینہ حرکت میں آگیا، "اشهد ان لا اله الا الله" کہا تو یہ حرکت شدید ہوگئی۔ "اشهد ان محمدًا رسول الله" کہا تو عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور لوگ سوالیہ انداز میں کہنے لگے کیا رسول اللہ ﷺ (دوبارہ) مبعوث کر دیئے گئے؟

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جتنا اس دن مدینہ کی عورتیں اور مرد روئے اتنا رونا کسی اور دن نہیں دیکھا گیا''

(رواہ ابن عساکر وقال الشیخ تقی الدین السبکی: اسنادہ، جید، آثار السنن ۵۴۷، حدیث ۱۱۱۳، تاریخ دمشق لابن عساکر ج۵ ص ۲۶۵)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ نے شام سے مدینہ منورہ کا سفر خواب میں آنحضرت ﷺ کے حکم پر کیا اور خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت بلاشبہ آپ ﷺ ہی کی زیارت ہے، حدیث شریف میں ہے:

"من رانی فی المنام فقد رانی، فان الشیطان لایتخیل بی"۔

(صحیح بخاری ج۲ ص ۲۵۶۸، حدیث: ۶۹۹۴)

''جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے (حقیقت میں) مجھے ہی دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا''

حضرت بلالؓ کا عمل قبر مبارک کی زیارت کیلئے سفر کے مستحب ہونے پر واضح دلیل ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت بلالؓ پر یہ سفر واجب تھا، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے خود آپ کو اس سفر کا حکم فرمایا تھا، واللہ سبحانہ اعلم

(۵) آخر میں قران کریم کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیں:

"ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً۔

(سورۃ النسائآیت ۶۴)

''اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالی سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالی سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالی کو توبہ کا قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔ (بیان القران ج ا ص ۱۲۹)

یہ آیت گو منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ اگر منافقین آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بغرض توبہ حاضر ہوں اللہ سے معافی مانگیں اور حضور ﷺ بھی ان کیلئے مغفرت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردیں گے۔ لیکن اپنے الفاظ کے عموم کی بناء پر یہ آیت ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور حضور اکرم ﷺ بھی اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے۔ اور یہ معاملہ جیسے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تھا آج بھی ایسے ہی ہے قبر مبارک پر حاضری، دربار رسالت میں حاضری کی مثل ہے۔ ایک مرتبہ مروان نے دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک پر اپنا چہرہ رکھ کر بیٹھا ہے۔ مروان نے گردن سے پکڑ لیا دیکھا تو وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ تھے مروان نے کہا "**اتدری ماذا تصنع**" تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا "**جئت رسول الله ﷺ ولم اٰت الحجر**" (اخرجہ الحاکم فی المستدرک وقال: ھذا حدیث صحیح' الاسناد ولم یخرجاہ واقرہ علیہ الذھبی وقال: صحیح المستدرک للحاکم مع التلخیص ج۴ ص۱۱۵)

"میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں۔

علامہ ابن قدامہؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ آج بھی اگر کوئی شخص قبر مبارک پر حاضر ہو، اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے، رسول اللہ ﷺ اس کے گناہوں کی بخشش کیلئے شفاعت فرمائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیں گے۔ انشاء اللہ۔

(المغنی لابن قدامۃ ج۲ ص۴۹۰، معارف القران ج۲ ص۴۶۰)

ایک اعرابی کی قبر مبارک کی زیارت کا عجیب وغریب واقعہ

ابن حبانؒ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں، شارح مسلم علامہ نوویؒ نے المجموع شرح المھذب میں، ابن قدامہؒ نے المغنی اور الشرح الکبیر میں۔ خطیب شربینی نے المغنی المحتاج میں اور دیگر بہت سے حضرات نے اپنی اپنی کتب میں حضرت علیؓ سے مروی یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو

جب ہم دفن کر چکے تو اس کے تین دن بعد ایک اعرابی مدینہ منورہ آیا، آتے ہی قبر مبارک پر گر گیا اور قبر مبارک کی مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا۔ پھر اس نے ایک شعر پڑھا۔

یاخیر من دفنت فی التراب اعظمه

فطاب من طیبهن القاع والاکم۔

نفسی الفداء لقبرانت ساکنه

فیه العفاف وفیه الجود والکرم۔

''مٹی میں دفن کر دیئے جانے والے جسموں میں سے اے سب سے بہترین ذات۔ جسکی عمدگی کی وجہ سے (ساری) زمین اور ٹیلے خوشگوار اور اچھے ہو گئے، میری جان اس پر فداء ہو۔ جسمیں آپ رہائش پذیر ہیں اس قبر میں پاکدامنی اور جود و کرم ہیں۔

پھر اس اعرابی نے کہا:'' **قد قلت یا رسول الله فسمعنا قولك ووعیت عن الله فوعینا عنك وكان فیها انزل الله علیك:**

"ولو انهم اذظلموا انفسهم جاء وك" الاٰیة۔ وقد ظلمت نفسی وجئت استغفرالله ذنبی فاستغفرلی من ربی" فنودی من القبر: انه قد غفرلك"

(البحر المحیط لابن حبان ج۳ص۲۸۳، وذکرہ النوویؒ فی المجموع وقال: ومن احسن مایقول ماحکاہ المرداویؒ والقاضی ابوالطیب وسائر اصحابنا عن العتبیؒ مستحسنین له الخ المجموع للنوویؒ ج۸ص۱۲۷، المغنی لابن قدامہ ج۳ص۵۸۸، الشرح الکبیر ج۳ص۴۹۴، المغنی المحتاج للخطب الشربینی ج اص۵۱۲،)

''یارسول اللہ ﷺ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ ہم نے سنا (اور تسلیم کیا) آپ نے اللہ سے (سن کر) محفوظ کیا، ہم نے آپ سے (سن کر) محفوظ کیا آپ پر جو قران نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے۔ ولوانہم اذظلموا انفسہم: پوری آیت پڑھی اور کہا میں نے اپنے نفس پہ ظلم کیا اور (آیت کے مطابق) آپ کے پاس آیا ہوں، اللہ تعالی سے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں، آپ میرے لئے

میرے رب سے بخشش کی سفارش فرمائیں۔اس پر قبر سے آواز آئی: تیری بخشش کردی گئی‘‘

ظاہر ہے یہ واقعہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا سب صحابہؓ کا سکوت ان کے اجماع کی دلیل ہے۔مزید برآں عہد صحابہؓ سے آج تک تمام حجاج کرام حج سے پہلے یا حج کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے کرتے چلے آئے ہیں۔اور اس سفر میں بہتر یہی ہے کہ قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کیا جائے۔امت کا یہ تعامل اس سفر کے مستحب ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

جائز سفر:

ہر وہ سفر جس میں کوئی ناجائز مقصد اور معصیت نہ ہو، سفر کا منشاء وغرض صحیح ہو تو شرعا وہ سفر جائز ہوگا۔سفر مباح کے چند اقسام ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) تجارت اور زیادہ مال کمانے کے لئے سفر:

سفر معاش تو بعض حالات میں فرض ہے جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔یہاں سفر تجارت سے مراد یہ ہے کہ بقدر ضرورت تو مال مل رہی ہے ضرورت سے زائد روپیہ، پیسہ، کمانے اور مال دار بننے کی خاطر سفر کیا جائے۔یہ سفر بھی جائز ہے۔(العنایہ علی الھدایہ ج ۲ ص ۱۹ مواھب الجلیل ج ۲ ص ۱۳۹)

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد گرامی ہے:

”لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم“

(سورۃ البقرۃ آیت:۱۔۱۹۸)

’’تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔(بیان القران ۱۔۱۱۴)

حج کے سفر میں بھی اس تجارت کی اجازت ہے اور اس غرض کے لیے مستقل سفر کرنا بھی جائز ہے۔

اہم تنبیہ:

آج کل مالی وسعت کے باوجود زیادہ مال کمانے کی غرض سے غیر مسلم ممالک کا سفر اور وہاں مستقل یا عارضی سکونت کا رواج عام ہو رہا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ جو لوگ بلاد کفار میں رہتے ہیں ان کے اندر حمیت دینی کم ہوتے ہوتے تقریباً ختم ہی ہو جاتی ہے، وہاں طرح طرح کے منکرات وفواحش سے بچنا بہت ہی مشکل ہے، اسی طرح وہاں پر اولاد کا دینی اور اخلاقی مستقبل تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے غیر مسلم ممالک میں اس غرض کے لئے جانے یا سکونت اختیار کرنے سے اجتناب ضروری ہے اور اس قسم کا سفر کراہت سے خالی نہیں۔

تفصیل کیلئے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ ورعاہ کی عربی تصنیف ''بحوث فی قضایا فقیہ معاصرہ'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

سنن ابوداؤد میں حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله"

(سنن ابوداؤد ۳۔۹۳، حدیث ۲۷۸۷،)

''جو شخص معاملات میں کسی (کافر) مشرک کا ساتھی بنا اور اس کے ساتھ رہائش رکھی تو وہ اسی کے مثل ہے''

جامع ترمذی میں حضرت جریر بن عبداللہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"انابریء من كل مسلم يقيم بين اظهر المشركين"

(جامع الترمذی ۴۔۱۵۵، حدیث ۱۶۰۴)

''جو شخص مشرکین کے ساتھ سکونت اختیار کرے۔ میں اس سے بری ہوں''

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لئے غیر مسلم ممالک میں سکونت اختیار کرنا جائز نہیں، حدیث کے لفظ **''یقیم''** سے معلوم ہو رہا ہے کہ تجارت وغیرہ کی غرض سے غیر مسلم ممالک میں مدت اقامت (پندرہ راتوں) سے زیادہ ٹھرنا کراہت سے خالی نہیں'' واللہ علم (معالم السنن للخطابیؒ ۳۔۴۳۶)

مال کے ضائع ہونے کے خوف سے سفر:

کسی جگہ رہنے سے مال ضائع ہونے کا خطرہ ہے وہاں سے سفر کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ مسلمان کے مال کی حرمت اس کی جان کی حرمت کی طرح ہے۔یعنی جس طرح مسلمان خون محترم ہے،اسی طرح اس کا مال بھی محترم ہے، جان بچانے کی غرض سے بھاگنا جائز ہے تو مال بچانے کی خاطر سفر کرنا بھی جائز ہے،اسی طرح اولاد وغیرہ کے تحفظ کی خاطر بھی سفر کرنا جائز ہے۔(تفسیر القرطبی 350/5،معارف القرآن 330/5)

(۲) جسمانی تکالیف سے تحفظ کیلئے سفر:

کسی جگہ رہنے سے جسمانی تکالیف کا خطرہ ہو تو وہاں سے سفر کرکے کسی دوسری جگہ چلے جانا جائز ہے۔(حوالا بالا)

حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

"فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجني من القوم الظالمين"

(سورۃ القصص آیت:۲۱)

''پس موسی (علیہ السلام) وہاں سے نکل گئے خوف اور وحشت کی حالت میں کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالموں سے بچالیجئے۔

(بیان القرآن 104/2)

مکروہ سفر:

ہر وہ سفر جس میں کوئی دینی یا دنیوی منفعت نہ ہو۔مثلاً محض شہروں کو دیکھنے کے لئے سفر کرنا یا تنہا سفر کرنے کی صورت میں نقصان یا ضرر کا اندیشہ ہونے کے باوجود کیلئے سفر کرنا،اسی طرح لایعنی کاموں کیلئے سفر کرنا مکروہ ہے۔اس میں مال کا ضیاع بھی ہے مسلمان کی شان یہ ہے کہ ہر اس کام کو چھوڑ دے جس میں دین اور دنیا کسی کا فائدہ نہ ہو،

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه"

(جامع الترمذی:۵۵۸۴،حدیث ۲۳۱۸)

''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ ہر بے فائدہ کام کو چھوڑ دے''

سفر حرام:

ہر وہ سفر جو گناہ کرنے کے ارادہ سے کیا جائے،شرعاوہ سفر ممنوع ہو،ایسا سفر کرنا حرام ہے، مثلاً ڈاکہ ڈالنے یا چوری کرنے کے ارادے سے سفر کرنا،کسی مسلمان پر ظلم وزیادتی کرنے کے ارادے سے سفر کرنا،عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کرنا،عورت کا خاوند یا محرم کے بغیر سفر کرنا،مقروض کا قرض خواہ سے چھپنے کی نیت سے سفر کرنا،جبکہ قرض کی ادائیگی پر قادر بھی ہے،زنا کرنے،شراب خریدنے یا پینے یا اور اسی قسم کی بدکاری یا گناہ کا کام کرنے کے ارادے سے سفر کرنا حرام ہے،فقہ حنفی کے علاوہ باقی تینوں فقہوں میں حرام سفر کرنے کے والا سفر کی رعایتوں میں سے کسی بھی رعایت کا مستحق نہیں ہے،

(الھدایہ:۱۶۷،مواھب الجلیل 140/2،المجموع:226/4،المغنی لابن قدامہ:101/2)

فقہہ حنفی کی رو سے یہ سفر گو حرام ہے اور اس پر اس کو گناہ بھی ہوگا مگر سفر الگ چیز ہے اور گناہ کا ارادہ الگ چیز ہے، گناہ کے ارادے کے باوجود وہ شخص مسافر قرار پائے گا،اور مسافر ہونے کے ناطے مسافر کے احکام اس پر لاگو ہوں گے،اس مسئلہ کی تفصیل احقر کے عربی رسالہ (غیر مطبوعہ) ''احکام سفر'' میں موجود ہے۔

طاعون والی جگہ سے نکلنے یا وہاں جانے کا حکم: جس جگہ طاعون کی وبال پھیل جائے تو وہاں سے نکلنا اور وہاں جانا دونوں ناجائز ہیں۔

مسند احمد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الفار من الطاعون کالفار من الزحف" (مسند احمد 82/6،)

’’طاعون سے بھاگنے والا میدان جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے‘‘ یہ ایک قسم کی وعید ہے اور وعید حرام کام پر ہوتی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت اسامہؓ سے روایت ہے:

”قال رسول اللهﷺ: الطاعون رجز ارسل علی طائفة من بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم، فاذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه، واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه“

(صحیح بخاری 1281/3، حدیث ۳۴۸۶، صحیح مسلم 1737/4۔ حدیث ۲۲۱۸،)

رسول اللہﷺ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر یا آپﷺ نے فرمایا: ان لوگوں پر جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، سو جب تم کسی جگہ اس کے بارے میں سنو تو وہاں مت جاؤ اور اگر یہ اس جگہ پھیل جائے جہاں تم پہلے سے ہو وہاں سے مت بھاگو،

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ طاعون والی جگہ جانا یا وہاں سے بھاگنا دونوں ناجائز ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے طاعون والی جگہ سے نکلنے کی تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) طاعون والی جگہ سے بھاگنے اور طاعون سے بچنے کی نیت سے نکلنا، یہ صورت ناجائز ہے، حدیث پاک میں وارد نہی اس صورت کو شامل ہے۔

(۲) کسی حاجت سے طاعون والی جگہ سے نکلنا، جبکہ طاعون سے فرار مقصد نہ ہو، مثلاً ایک شخص نے کسی معین تاریخ کو سفر پر جانے کا پروگرام بنایا، اسی تاریخ کو طاعون کی وباء پھیل گئی اب اس کا طاعون والی جگہ سے نکلنا جائز ہے، کیونکہ طاعون سے فرار مقصد نہیں۔

(۳) کسی ضرورت سے طاعون والی جگہ سے نکلنا، مگر ساتھ ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ یہاں سے نکلنے کی وجہ سے طاعون کی وباء سے بچ جاؤں گا اس صورت کے جائز اور ناجائز ہونے میں سلف کا اختلاف ہے، بعضوں نے جائز اور بعضوں نے ناجائز کہا ہے۔

(فتح الباری159/10)

درمختار میں ہے کہ اگر کسی شخص کا تقدیر پر پختہ اعتقاد ہے اور اسے یقین ہے کہ ہر چیز اللہ تعالی کے حکم اور قدرت سے وجود میں آتی ہے تو ایسے شخص کے لئے طاعون والی جگہ پر آنا اور جانا دونوں جائز ہیں اور اگر اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اگر طاعون والی جگہ گیا تو اس بیماری میں مبتلاء ہو جاؤں گا اور اگر اس جگہ سے نکل آیا تو بچ جاؤں گا ایسے شخص کے لئے طاعون والی جگہ جانا یا وہاں سے نکلنا جائز نہیں اور اسی صورت پر حدیث شریف کو محمول کیا گیا ہے۔

(الدر المختار757/6)

(ملخصا احکام سفر صفحہ ۱۷۴ تا ۱۹۴)

مسعود احمد بی ایس سی نے اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کیلئے کتب تصنیف کی ہیں اگر چہ یہ تمام کتب جہاں اسکی غیر متوازن شخصیت کو آشکارا کرتی ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس فنکار کا ہدایت کار کوئی اور ہے جو اسے یہ علمی مواد تحریف کر کے ٹرانسفر کرتا ہے اور مسعود احمد اسے اپنے نام سے شائع کرتا ہے اس کی کتب میں سے ایک کتاب جو توحید کے نام پر اس نے لکھی ہے اور اپنی نام نہاد توحید کو دلائل کی بیساکھی فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اس کتاب کا نام ہے توحید المسلمین لہذا اسکی بقیہ کتب کے اپریشن سے پہلے توحید المسلمین میں اسکی طرف سے کی جانے والی علمی بد دیانتیوں اور دیگر غلط مسائل کی وضاحت ضروری ہے سب سے پہلے توحید المسلمین کا مطالعہ کرتے ہیں اس کے بعد دیگر کتب پر تنقیدی و تحقیقی جائزہ ہوگا۔

سرور کائنات اور جماعت المسلمین

اللہ تعالٰی کے ماسواء کسی کو سرورِ کائنات کہنا شرک ہے۔

(توحید المسلمین، ص:۹۳ طبع ۱۹۹۷ء)

ان کی دیگر کئی کتب اور رر پمفلٹوں میں بھی ان مسعودیوں نے آپ ﷺ کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کا انکار کیا ہے۔اب ہم آتے ہیں نفسِ مسئلہ کی طرف کہ سرور کائنات کا معنیٰ کیا ہے

اور اس کا حکم کیا ہے؟ اردو لغت کی معتبر ترین کتاب فرہنگ آصفیہ ج ۳ ص ۴۷ پر لکھا ہے: سرور فارسی زبان کا لفظ ہے بمعنی سردار امیر بادشاہ عالم اور سرور کائنات یہ آپ ﷺ کا لقب ہے (فرہنگ آصفیہ ج ۳ ص ۷۶، فرہنگ عامر ص ۲۲۱، پر بھی سرور کا مطلب سردار بتایا گیا ہے،)

سرورِ کائنات کو عربی میں سیدالکونین کہتے ہیں (القاموس الجدید، ص: ۶۱۰)۔یعنی کائنات کا سردار اور ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی نبی کو کسی قبیلے یا قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے تو وہ نبی اس قوم اور قبیلے کا سردار ہوتا ہے۔تمام انبیاء مختلف اقوام اور قبیلوں کی طرف آئے جب کہ نبی کریم ﷺ کسی خاص قبیلے، قوم یا گروہ کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ ﷺ کی نبوت ذرہ خاک سے رفعت افلاک تک ہر چیز کو حاوی ہے۔خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

فضّلت علی سائر الانبیاء بستٍ

کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے اور آپ ﷺ وہ چیزیں ارشاد فرمائیں جن میں ایک فضیلت یہ بھی ہے

ارسلت الی الخلق کافة

(صحیح مسلم رقم الحدیث، 523 ترمذی رقم الحدیث 1553، نسائی رقم الحدیث 3087، ابن ماجہ رقم الحدیث 567)

کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔تو جیسے قوم اور قبیلے کا سردار ہوتا ہے تو ایسے ہی نبی کریم ﷺ چونکہ اللہ کی پیدا کردہ تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، لھذا آپ ﷺ کا سرورِ کائنات ہونا شرک کیسے ہو گیا؟

جب خود اللہ تعالیٰ انہیں یہ منصب عطا فرماتا ہے اگر یہ منصب خدائی میں شرکت کا ہوتا تو ہم اسے شرک کہہ سکتے بلکہ یہ تو **فضل اللہ یؤتیہ من یشاء** کہ اللہ کا فضل ہے جسے اللہ تعالیٰ عطاء فرمادیں اور آپ ﷺ کو جو سروری و سرداری اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائی ہے خود آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اس کا اظہار فرمایا۔

لفظ مولانا اور جماعت المسلمین

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مولیٰ نہیں نہ کسی کو مولیٰ سمجھنا چاہیے اور نہ کسی کو مولیٰ کہہ کر پکارنا چاہیئے ۔مولانا یا مولائی کے الفاظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنے چاہئیے کسی دوسرے کے لئے نہیں۔

(توحید المسلمین ،ص:۱۱۷ از مسعود احمد بی ایس سی ..طبع ۱۹۹۷)

جماعت المسلمین کے خود ساختہ توحیدی عقائد میں ایک عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے ماسواء کسی کو سرورکائنات نہیں کہنا چاہیئے ،اب تیسرا نظریہ ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ کے ماسواء کسی کو مولانا نہیں کہنا چاہیے نا مولیٰ اور مولانا کا لفظ غیر اللہ کے لئے درست ہے۔

مسعود احمد صاحب تبرائیوں کی طرح تقیہ کی چادر میں اپنی جہالت کو چھپانے کی خاصی مہارت رکھتے ہیں جس آیت یا حدیث کا مطلب و مفہوم ان کے مفاد میں بہتر ہو اسے ببانگِ دہل بیان کرتے ہیں اور جو آیت یا حدیثِ مبارکہ ان کے مکروہ چہرے کا نقاب الٹ رہی ہو اس کی بے جا تاویلات حتیٰ کہ تحریف کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

مسعود احمد صاحب پیدائشی طور پر علمی یتیم ،عقلاً مفلوج اور عملاً کنگال ہیں اور مسلمان کبھی بھی ان عیوب ثلاثہ کے مظہر کو اپنا مقتداء نہیں بناتے بلکہ دینی قیادت و سیادت اس شخص کو دیتے ہیں جو عالم باعمل ،سمجھ دار اور دوراندیش ہو۔جسے عرفِ عام میں مولانا کہتے ہیں اور یہ لفظ علماء کے ساتھ خاص ہو چکا ہے،جیسے علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیاء کے لئے ،رضی اللہ عنہ صحابہ کے لئے اور رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کے لئے مختص ہو چکا ہے۔

اب جو آدمی بھی دینی قیادت کا مدعی ہو لوگ دیکھتے ہیں کہ آیا یہ مولانا (عالم دین) ہے یا نہیں؟ خون اور پیشاب کی تحقیق کرنے والے باسی ذہنیت کے ڈاکٹر کو وہ کبھی بھی یہ منصب نہیں دیتے کہ وہ ان کا دینی پیشوا بن جائے۔لھٰذا مسعود احمد بی ایس سی نے سوچا کہ کسی طرح لوگ مجھے راہنما بھی مان لیں اور میری جہالت پر حرف گیری بھی نہ ہو۔اس کے لئے اس نے یہ چال چلی کہ

مولانا جو کہ عالم دین ہونے کی علامت ہے، یہ اللہ کے ماسواء کسی کے لئے بولنا جائز نہیں اور قرآن پاک کی وہ آیات جن میں مولیٰ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال ہوا وہ آیات لکھیں اور دو احادیث سے اپنا مطلب کشید کر کہنے لگا کہ مولیٰ کا لفظ اللہ کے ماسواء کسی پر بولنا جائز نہیں۔

حالانکہ اس علمی بونے کو یہ معلوم نہیں کہ ایک لفظ جب ان کی نسبت بدل جائے تو اس کا حکم اور مطلب بدل جاتا ہے۔ مثلاً پوری امت مسلمہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کہتی ہے جس کا معنیٰ ہے سب سے بڑے سچے یا سب سے زیادہ سچ بولنے والے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ومن اصدق من الله قيلاً (النساء:١٢٢)

اللہ سے زیادہ سچا کون ہے؟ تو کیا اب صدیق اکبرؓ کو صدیق کہنا چھوڑ دیا جائے؟ نبی کریم ﷺ کا لقب الصادق الامین تھا کیا صدیق اکبر کہنے سے نبی کریم ﷺ کی بے ادبی لازم نہیں آتی؟ نہیں ہر گز نہیں، بلکہ صدیق اکبر کا سب سے زیادہ سچا ہونا بنسبت دسرے صحابہ کے ہے بمقابلہ پیغمبر کے نہیں اور نہ کہ اللہ تعالیٰ کہ مقابلے میں، تو یہ شرک نہ ہوا۔

دوسری مثال:

حضرت عمرِ فاروقؓ کو فاروق اعظم کہا جاتا ہے یعنی سب سے بڑے فرق کرنے والے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرقان یعنی فرق کرنے والی کتاب میں نے نازل فرمائی ہے ،تو کیا آپ فاروق اعظم بمقابلہ کتاب اللہ کہ ہیں؟ نہیں ہر گز نہیں بلکہ وہ فاروقِ اعظم بنسبت بقیہ اصحاب پیغمبر کے ہیں نہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے مقابلہ میں۔

تیسری مثال:

حضرت نعمان بن ثابتؒ کو امام اعظم کہا جاتا ہے تو یہ امام اعظم رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ہر گز نہیں، جو ایسا کہتا ہے اس کی عقل گھاس چرنے گئی ہے اس کی واپسی کا انتظار کرے اگر چہ واپسی کی امید تو نہیں۔ بھلا نبی او امتی کا کیا مقابلہ؟ ابو حنیفہ امام اعظم ہیں بنسبت تین ائمہ امام مالکؒ

،امام شافعیؒ اورامام احمد بن حنبلؒ کہ نا کہ رسول اللہ ﷺ کہ مقابلہ میں ۔ بالکل ایسے جیسے محمد علی جناح کو اگر قائداعظم کہا جاتا ہے تو دوسرے مسلم لیگی لیڈروں کہ مقابلہ میں نا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے مقابلے میں۔

لھذا معلوم ہوا کہ نسبت کہ بدلنے سے حکم بدل جاتا ایسے ہی لفظ مولا یا مولانا کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو معنیٰ ہوگا ہمارا پروردگار، کارساز رب وغیرہ اور اس لفظ کی نسبت کسی انسان کی طرف ہوگی تو معنیٰ ہوگا..عالمِ دین، قرآن وسنت کا ماہر وغیرہ

اور مسعود احمد (بی ایس سی) چونکہ اہلِ علم کے محلے سے گزرنے کا بھی روادار نہیں لھذا اس کے لئے مولانا کا لفظ بولنا واقعی جائز نہیں۔ رہا مسعود احمد صاحب کا انگور کھٹے ہیں کے مصداق، اپنی جہالت پر پردہ ڈال کر کہنا، کہ مولانا یا مولیٰ کا اطلاق اللہ کے غیر پر درست نہیں۔

آیئے قرآن وحدیث کے مطابق اس کا تجزیہ کرتے ہیں کہ آیا مولیٰ یا مولانا کا لفظ اللہ کے علاوہ کسی اور پر بھی بولنا جائز ہے کہ نہیں؟ مزید یہ کہ اس وقت جب مولیٰ یا مولانا کا لفظ کسی اور کے لئے استعمال ہوگا تو اس کا معنیٰ کیا ہوگا۔

وضرب الله مثلا رّجلين احدهما ابكم لا يقدر على شىءٍ و هو كلٌّ على مولاهُ(النّحل:٧٦)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک تو گنہگار ہے کوئی کام نہیں کرسکتا اور اپنے مولی، مالک پر بوجھ ہے۔

اب اللہ تعالیٰ خود اپنی کلام میں لفظ مولیٰ اپنے غیر کے لئے استعمال فرما رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ مسعودیوں کی توحیدی عدالت میں خداوند تعالیٰ پر کون سی فرد جرم عائد ہوتی ہے۔

دلیل نمبر:۲

وانى خفت الموالى من ورائى (مريم:٥)

ترجمہ: اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں

اس آیت میں رشتہ داروں کو موالی کہا گیا ہے۔ جو جمع ہے مولیٰ کی ۔اس آیت مبارکہ نے مسعود احمد بی ایس سی کی میڈان کراچی کی توحید کے تارو پود بکھیر دیئے ہیں

دلیل نمبر:۳

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فان اللّٰہ ھو مولاہ وجبریل و صالح المؤمنین والملآئکۃ بعد ذالک ظھیر (التحریم:٤)

ترجمہ: تو بے شک پیغمبر کا رفیق اللہ اور جبرائیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں۔

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مولیٰ کا لفظ اپنے لئے، جبرائیل کے لئے اور نیک مسلمانوں کے لئے بول کر مسعود صاحب کی دل شکنی فرمائی ہے جو کہتے ہیں کہ مولیٰ یا مولانا کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ماسواء کسی دوسرے پر بولنا جائز نہیں ہے۔

دلیل نمبر:۴

مأواکم النار ھی مولاکم و بئس المصیر (الحدید:١٥)

ترجمہ: تم سب کافروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی تمہارا رفیق ہے، اور برا ٹھکانا ہے۔

اس آیت میں دوزخ کی آگ پر مولا کا لفظ بولا گیا ہے۔ اب معلوم نہیں یہ آیت پڑھ کر مسعود صاحب کے دل میں تحریف وتلبیس کی کیا پھلجڑیاں پھوٹتی ہوں گی۔

دلیل نمبر:۵

فان لم تعلموا آبائھم فاخوانکم فی الدین و موالیکم (الاحزاب:٥)

ترجمہ: اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور دوست ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں مجہول النسب مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا دینی بھائی قرار دیا ہے اور انہیں موالی بمعنیٰ دوست کہہ کر پکارنے کا حکم دیا ہے۔

دلیل نمبر:۶

عن انس بن رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: مولی القوم من انفسهم

(بخاری:رقم الحدیث ٦٧٦١،باب مولی القوم من انفسهم)

نبی کریم ﷺ نے قوم کے آزاد کردہ غلام کو قوم ہی شمار فرمایا ہے اور غلام کے لئے مولیٰ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

دلیل نمبر:۷

وقال البراءؓ عن النبی ﷺ أنت اخونا و مولانا

(بخاری رقم الحدیث 2699، مسلم 1783، ترمذی 1904 باب مناقب زید بن حارثہؓ مولی النبی ﷺ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہؓ سے فرمایا ''تو ہمارا بھائی بھی ہے اور مولانا بھی''۔

مولانا کا لفظ غیر اللہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اب مسعودی شریعت میں نبی آخری الزمان پر کیا حکم لاگو ہوگا؟؟؟۔اب معلوم نہیں مسعود احمد بی ایس سی نبی کریم ﷺ کو منصب نبوت پر باقی رکھتا ہے یا معزول کر دیتا ہے۔

خدا جب عقل لیتا ہے تو حماقت آہی جاتی ہے

ائمہ پر تبراء سے ضلالت آہی جاتی ہے

دلیل نمبر:۸

عبدالله عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه....سمعت رسول الله ﷺ یقول استقرؤا القرآن من اربعةٍ:من عبدالله بن مسعود فبدأبه و سالمٍ مولی ابی حذیفة و ابیّ بن کعب و معاذ بن جبل

(بخاری،رقم الحدیث:۳۷۵۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار آدمیوں سے قرآن پڑھو،عبداللہ بن مسعود اور سالم جو مولیٰ

آزاد کردہ غلام ہے، ابی حذیفہ کا اور ابی بن کعب سے اور معاذ بن جبل سے.

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے حضرت سالم کے لئے مولیٰ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

دلیل نمبر:۹

اخبرنا جابر بن عبدالله رضی الله عنهما قال:کان عمر یقول ابوبکر سیدنا و اعتق سیدنا یعنی بلالا

(بخاری ،ج:۱،رقم الحدیث:۳۹۰۴)

اس حدیث مبارکہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوصدیقؓ اور حضرت بلال بن رباحؓ کو اپنا سید، سردار اور آقا قرار دیا۔ اور امام بخاری نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے کہ بلال بن رباحؓ یہ مولیٰ ہے ابوبکر کا۔ یہاں بھی حضرت بلال کے لئے مولیٰ کا لفظ بولا گیا ہے، جو مسعود احمد کے نظریے کے خلاف ہے۔

دلیل نمبر:۱۰

عن شعبة عن النبی ﷺ قال: من کنت مولاہ فعلی مولاہ

(جامع ترمذی،ج:۲،رقم الحدیث:۳۹۰۴)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے۔

تو جناب مسعود احمد بی ایس سی کی فرسودہ اور ملحدانہ تعلیمات پر ایمان لانے والوں کو ان دس مضبوط ترین دلائل کے بعد بھی آپ حضرات مسعود احمد کی باسی کڑھی نام نہاد دسترخواں توحید پر سجائے دعوت طعام دیتے رہیں گے۔ اور لفظ مولانا کے استعمال کو کفر، شرک بتلا کر عاقبت برباد کرتے رہیں گے؟

تصوف اور جماعت المسلمین:

جیسا کہ پہلے وعدہ کیا تھا کہ جماعت المسلمین کی مسندِ امامت پر جلوہ افروز اشتیاق احمد صاحب کا پسِ منظر اور تہہ منظر تحریر کروں گا، تا کہ حقیقت آشکارا ہو جا کہ جن کی نظروں میں کوئی

انسان چچتا نہیں خود دین و دنیا کی نظر میں وہ کس کیٹا گری کے لوگ ہیں۔ بانی جماعت المسلمین مسعود احمد (بی ایس سی) جنھوں نے تزکیہ نفس کو شریعت کا ابطال اور کھلم کھلا شریعت سے غدار قرار دیا۔

(توحید المسلمین ص: ۳۲۰)

شکیل کی کہانی

انھوں نے شریعت سے جو وفاداری کی ہے اور حسین لڑکیوں کی حسرت ہی دل میں لے کر اپنے انجام کو پہنچ گئے، مگر بعد میں اشتیاق احمد نے تزکیہ نفس نا ہونے کے باعث شریعت سے وفاداری کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ اب ان رہبروں کے روپ میں چھپے راہزنوں کی کارستانیاں ملاحظہ فرمائیں۔

شکیل احمد عبداللہ وہ شخص ہے جو کوثر نیازی کالونی ناظم آباد کراچی نمبر ۳۳ میں تیار ہونے والے جدید اسلام رجسٹریشن نمبر ۱۹۸۵/۳۶۶ قبول کر کہ جماعت المسلمین میں شامل ہوا۔

۲۷ جون ۱۹۹۴ء کو سمیرا نامی لڑکی سے شادی ہوئی جو جماعت المسلمین کی رکن تھی۔ ۲۶ اپریل ۱۹۹۸ء کو امیرِ جماعت اشتیاق احمد نے فسخ نکاح کا سٹیفکیٹ دے کر اس کی بیگم ''امیرانہ اختیارات'' استعمال کرتے ہوئے غصب کر لی۔

اب بقیہ تفصیلات عبداللہ کی زبانی سنیئے۔

نمبر ۵ میری فریاد اراکین جماعت المسلمین کے نام

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد محمد اشتیاق صاحب نے فسخ نکاح اور اسکے دلائل پمفلٹ جو فسخ نکاح کے دلائل دیے ہیں وہ میرے معاملے میں درست نہیں ہیں کیونکہ میری شادی کو چار سال عرصہ ہو چکا ہے اور میں ایک بچے کا باپ بھی ہوں میری شادی سمیرا اور اسکے باپ کے رضا مندی سے ۲۷ اپریل ۱۹۹۴ء کو ہوئی اور فسخ نکاح کا سٹیفکیٹ محمد اشتیاق نے مجھے ۲۶ اپریل ۱۹۹۸ء کو دیا۔

محمد اشتیاق صاحب نے فسخ نکاح کے سٹرٹیفکیٹ میں لکھتے ہیں آپ دونوں کے درمیان مسلسل اختلاف اور عدم محبت کی وجہ سے نباہ نہ ہوسکا اور آپ دونوں بھی اس بات کے متمنی تھے کہ شادی کی یہ گاڑی چل نہ سکے گی لہذا آپ دونوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے آج بتاریخ ۲۷ ذوالحجہ کو میں نکاح فسخ کرتا ہوں۔

میرا سمیرا سے نہ تو اختلاف تھا اور نہ عدم محبت تھی اگر یہ باتیں ہوتیں تو میں اسے طلاق دے دیتا ہاں البتہ میرا سمیرا سے گھریلو معاملہ میں تکرار ہوئی تھی جو کہ محمد اشتیاق امیر جماعت اور محمد بشارت صاحب نے نومبر ۱۹۹۷ کو سلطان صاحب کے گھر جا کر میری تمام رنجشیں ختم کرادیں اور میری صلح کرادی اور اسکے بعد ہم خوش وخرم زندگی گزارنے لگے لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد سلطان صاحب سمیرا کو میری عدم موجودگی اور اجازت کے بغیر آ کر لے گئے اور ۲۶ اپریل ۱۹۹۸ء کو امیر جماعت نے مجھے فسخ نکاح کا سٹرٹیفکیٹ تھما دیا اور بعد میں میری بیوی سمیرا سے ۶ جون ۱۹۹۸ء کو اپنا نکاح رچالیا جو کہ شرعی لحاظ سے بالکل غلط کیا ہے۔

سلطان صاحب کا سمیرا بیگم کو میرے گھر سے لے جانے کے اور فسخ نکاح کے درمیان ایک واقع پیش آیا جو یہ ثابت کرتا ہے کہ محمد اشتیاق کا سمیرا بیگم سے نکاح کا پہلے سے پروگرام بن چکا تھا۔

واقع یہ ہے کہ جب محمد اشتیاق صاحب اور بشارت صاحب نے ہماری صلح کرادی تو کچھ عرصے کے بعد محمد صالح بروہی صاحب کراچی آئے اور اچانک انکی طبیعت خراب ہوگئی میں انکو اپنے گھر لے آیا رات تک انکی طبیعت سنبھلی تو ہم آپس میں بات کرنے لگے محمد صالح مجھے کہنے لگے کہ

بھائی: میرے لئے کوئی رشتہ دیکھو میں نے دوسری شادی کرنی ہے پھر خود ہی کہتے ہیں کہ غریب کو کون رشتہ دے گا؟ اب امیر صاحب ہی کو دیکھ لو دوسری شادی کرنے کی کوشش میں ہیں مگر اب تک رشتہ نہیں مل رہا ہے غریب جو ہیں ابھی اس بات کو دو چار دن ہی گزرے ہوں گے کہ سمیرا نے مجھ سے کہا کہ تم اتنی دیر بعد گھر آتے ہو تم لڑکیوں کے چکر میں ہو میں دراصل رات ساڑھے دس بجے گھر آتا تھا کیونکہ ہمارا جنرل اسٹور تھا آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ جنرل اسٹور کی ڈیوٹی کتنی ہوتی

ہے اور میں نے سمیرا سے بھی کہا کہ مجھے جنرل اسٹور سے تین ہزار ماہانہ مل رہا ہے میں غریب آدمی ہوں دوسری شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا امیر بھی بے چارے غریب ہیں اسلئے انکو بھی دوسری شادی کرنے میں دیر ہو رہی ہے اس بات پر سمیرا نے کہا کہ اگر میں ہوتی تو امیر صاحب سے شادی کرلیتی میں نے جب اسے گھور کر دیکھا تو بات بدلتے ہوئے کہنے لگی اگر کنواری ہوتی تو کر لیتی۔

میں عقیدت میں آکر یہ بات محمد اشتیاق کو کہہ دی تو انہوں نے فوراً سمیرا سے پوچھوایا پھر دوسری مرتبہ غصے سے مجھ سے پوچھنے لگے کہ تمہیں کون کہہ رہا تھا کہ امیر صاحب کو رشتہ نہیں مل رہا ۔میں نے پوری بات بتادی اس دوران وہ لاڑکانہ جلسے میں گئے وہاں محمد صالح بروہی سے انکی ملاقات ہوئی تو ان سے پوچھنے لگے کہ تم نے میرے متعلق ایسی بات کی؟ تو کہنے لگی کہ امیر صاحب مجھے یاد نہیں شاید کی ہے یا نہیں؟ تو فوراً ان سے کہنے لگے کہ سمیرا کہتی ہے کہ میں امیر صاحب سے شادی کروں گی محمد صالح بروہی صاحب نے اس انداز سے بات کی کہ انہیں اندازہ ہوگیا اب امیر صاحب شکیل کی بیوی سے خود شادی کریں گے انہوں نے یہ بات میرے فسخ نکاح سے پہلے ہی عبدالرحمان سکھر کے امیر کو کہہ دی کہ اب شکیل کی بیوی سے امیر صاحب خود شادی کریں گے تو عبدالرحمان صاحب نے محمد صالح بروہی سے کہا کہ تم امیر صاحب کے بارے میں ایسی بات کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ فی الحال یہ بات ہم دونوں میں رہے اور آپ دیکھے گا کہ ہوتا کیا ہے اور انکی بات سچ ثابت ہوئی محمد اشتیاق صاحب نے ایک شادی شدہ عورت سے شادی کرلی اور اس شادی کو امیر کا اجتہاد قرار دیتے پھر رہے ہیں۔

دوسری مرتبہ جب میں محمد اشتیاق کے پاس گیا تو غصے سے مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم نے محمد صالح صاحب سے کہا تھا کہ امیر صاحب غریب آدمی ہیں میں نے دوبارہ کہا کہ امیر صاحب میں نے نہیں کہا صالح صاحب نے کہا تھا پھر غصے سے کہنے لگے تم نے امیر کو سمجھ کیا رکھا ہے؟ امیر سے زیادہ، امیر کون ہوسکتا ہے میں نے کہا امیر صاحب میں تو خود دوکان سے تین ہزار لیتا ہوں میں کیسے آپ کو غریب کہوں گا؟ مگر محمد اشتیاق صاحب نے اس بات کو دل میں رکھا اور بے ہودہ قسم

کے الزام جو قابل تحریر نہیں لگا کر مجھے بے بس کر دیا اور فسخ نکاح کا سٹرفکیٹ مجھے تھما کر کہا کہ تمہارا نکاح اب ختم ہو گیا ہے۔

سمیرا کو جب محمد سلطان صاحب آ کر لے گئے تھے تو اس وقت وہ حمل سے تھی کچھ دنوں بعد محمد اشتیاق نے مجھ سے کہا کہ سلطان صاحب آئے تھے اور کہ رہے تھے کہ امیر صاحب اللہ جانتا ہے ہم نے کچھ نہیں کیا سمیرا کے پچھلے ہفتے طبیعت خراب ہو گئی تھی اسکا حمل ضائع ہو گیا ہے مجھے یقین ہے کہ ملی بھگت سے سمیرا کا حمل گروایا گیا ہے کیونکہ محمد اشتیاق مزید صبر نہیں کرنا چاہتے تھے سمیرا کا تقریباً دو مہینے کا حمل تھا۔

محمد اشتیاق صاحب نے میرا نکاح فسخ کرنے کے چالیسویں دن میری بیوی سمیرا سے شادی رچالی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرے ساتھ محمد اشتیاق صاحب نے دھوکہ کیا ہے حالانکہ حدیث میں ہے:

من غش فلیس منا ترجمہ: جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

پھر میں نے فسخ نکاح کی تحقیق کی تو مجھے معلوم ہوا کہ باہم رضامندی کا نکاح امیر جماعت کے متعلق جو میرے دل میں احترام تھا وہ مجروح ہوا میرے ذہن میں یہی تھا کہ امیر نے جو بھی فیصلہ کیا ہے شریعت کے مطابق کیا ہے۔

جب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ جماعت کا کوئی فرد مقاطعہ اور کوڑوں کے ڈر کی وجہ سے مجھے امیر جماعت سے انصاف نہیں دلوا سکتا لہذہ میں مجبور ہو کر کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا لیکن پہلی ہی پیشی سے پہلے جنرل سیکٹری بشارت جاوید صاحب نے مجھ سے خبیب کے گھر ملاقات کی اور مجھے قائل کرنے کی کوشش کی کہ آپ کے اس اقدام سے جماعت بدنام ہو جائے گی لہذہ آپ صبر کا مظاہرہ کریں اور جماعت کے مفاد میں آپ اپنا کیس واپس لے لیں اور مجلس شوریٰ کے اراکین اور عہدے داران کے ذریعے بھی مجھ پر بھرپور دباوڈال کر اس کیس کو کورٹ سے خارج کروالیا۔

میں نے جب بشارت کو بتایا کہ محمد اشتیاق کے کہنے پر اپنا کاروبار چھوڑ کر کراچی شفٹ ہو گیا اور یہاں سیٹ ہونے میں مجھے لاکھوں کا نقصان ہوا اور میری بیوی بھی گئی تو انہوں نے اس پر کہا

کہ بیوی کے بارے میں صبر کرو مگر مالی مشکلات کا ازالہ ہوسکتا ہے میرے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اسلم پردیسی کی طرف سے دولاکھ کا چیک ملا لیکن میرے ضمیر نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ روپے میرے پاس آج بھی امانت ہیں اور چیک کی فوٹو کاپی جس پر اسلم پردیسی کے دستخط موجود ہیں وہ میں اس خط میں شائع کرر ہا ہوں کیونکہ مجھے انصاف چاہیے روپے نہیں چاہیے اور وہ رقم میں ہر وقت اسلم پردیسی کو واپس دینے کو تیار ہوں۔

جس کرب سے میں اس وقت گذرر ہا ہوں کہ میرا گھر برباد ہو گیا اور ایک معصوم بچے سے اسکی ماں کو جدا کردیا گیا یہ صرف اور صرف محمد اشتیاق نے اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے یہ ظلم کی انتہا کی ہے لہذ ہ مین اپنے دکھ کا اظہار آپ حضرات سے کرنے پر مجبور ہوں کیونکہ ایک عرصے تک میں اپنے غم کو برداشت کرتا رہا ہوں لیکن اب وہ غم میری قوت برداش سے باہر ہو چکا ہے جب میں اپنے معصوم بچے کو ماں کے لئے تڑپتا ہوا دیکھتا ہوں تو اس وقت میرا سینہ غم کی شدت سے پھٹنے لگتا ہے۔لہذ ہ میں آپ معزز ارا کین جماعت المسلمین کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کرر ہا ہوں اگر اب بھی مجھے انصاف نہ ملا تو میں ہر دروازہ کھٹکھٹاوں گا جہاں سے مجھے انصاف ملنے کی توقع ہو گی۔

آپ کا مسلم بھائی شکیل احمد

نوٹ: اس خط کی اشاعت کے بعد میرے کسی عزیز یا مجھے کسی بھی قسم کا نقصان ہوا تو اسکی تمام تر ذمہ داری امیر جماعت محمد اشتیاق اور اسلم پردیسی پر ہو گی۔

رابطے کے لئے میرا ایڈریس یہ ہے؛ شکیل احمد معرفت محمد یعقوب مکان نمبر ۴۹؛ C-۶۳۱ مکی شاہ کالونی نزد میڈیکل بورڈ آف سکھر سندھ۔فون ۵۸۲۴۰۷۱

تزکیہ نفس نہ ہو۔تو پھر ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔کہ انسانیت سر پیٹ کررہ جاتی ہے۔

مسعود احمد بی ایس سی نے عقل وخرد کے خلاف اپنی تحقیق پیش کرنے کے بعد تصوف پر ہاتھ صاف کرنا بھی توحید المسلمین کیلئے ضروری سمجھا اور تصوف کی خود ساختہ تعریف کر کے اپنی کفر سازی

کے پریس میں کفر وشرک کے فتوے چھاپنا شروع کر دیے نامعلوم اس کی زبان اور قلم کفر وشرک کے علاوہ بولنے اور لکھنے سے عاجز کیوں ہے؟ اپنی خودساختہ توحیدالمسلمین کے ص ۳۱۹ پر رقم طراز ہے،

تصوف ایک ایسی چیز ہے جس سے پورے دین کا اہمال اور پوری شریعت کا ابطال لازم آتا ہے شریعت کی جگہ ایک اور چیز لے لیتی ہے جسکو طریقت کہتے ہیں یہ کتنا بڑا جرم ہے اور کتنا بڑا کفر ہے

توحیدالمسلمین ص ۲۹ طبع ۱۹۹۷ء

اور مزید گوہر افشانی کرتے ہوئے جناب مسعود احمد صاحب فتویٰ دیتے ہیں کہ الغرض تصوف کا سارا تانا بانا کفر ہی کفر ہے

توحیدالمسلمین ص ۳۲۱ طبع ۱۹۹۷ء

اب آیئے پہلے تصوف کی تعریف پھر اسکی اہمیت دیکھتے ہیں بعد میں اس کفریہ فتوے سے موازنہ کریں گے کہ کہ مسعود صاحب کے ہوش وحواس کس قدر مفلوج ہیں اور کس خارستان میں وہ آبلہ پائی فرما رہے ہیں۔

علم التصوف ویقال له علم الحقیقة ایضا ای تزکیة النفس عن الخلاق الردیة وتصفیة القلب عن الاغراض الاٰنیه

کشف الغنون ج ا ص ۴۱۳

باطن کی صفائی اور باطنی گندگیوں اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام تصوف ہے اسے تزکیہ نفس بھی کہتے ہیں

اسی تزکیہ نفس اور باطنی پاکیزگی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے علم سفینہ یعنی ظاہری شریعت کا اقرار کیا ہے اور علم سینہ یعنی باطنی کا انکار کیا تعجب ہے کہ پھر بھی سینہ بسینہ علم کا دعویٰ بدستور موجود ہے اور کھلم کھلا شریعت کے ساتھ غداری کی جا رہی ہے۔

توحید المسلمین ص ۳۲۰ تا ۳۲۱

باطنی طہارت اور پاکیزگی کو شریعت کے ساتھ غداری قرار دینا کس قدر حماقت اور علم شریعت سے جہالت کی دلیل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قد افلح من تزکیٰ

الاعلیٰ: ص ۱۴

اپنا تزکیہ کر لینے والا حقیقتا کامیاب ہو گیا۔

یعنی قرآن مجید کی تعلیمات کی برکت سے عقائد باطلہ اور اخلاق رزیلہ سے خود کو پاک کر لینے والا شخص ہی بامراد ہے۔اسی کا نام تصوف ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وذروا ظاهر الاثم وباطنه

الانعام: ۱۴

کہ ظاہری گناہ بھی اور باطنی گناہ بھی چھوڑ دو۔

اور اللہ تعالیٰ نے تصوف جس کا دوسرا نام تزکیہ نفس ہے اس کو مقاصد نبوت میں سے ایک اہم مقصد قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہے

ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمه

یعنی انبیاء کی ذمہ داری ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیم دیں اور امت کو اخلاق رزیلہ سے بھی پاک کریں۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **قال الامالك من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد زندق ومن جمع بينهما فقدتحقق**

مرقات ج ۱ ص ۵۲۶

یعنی آدمی کے فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس تصوف ضروری ہے ورنہ ابتلاء مصیبت کا

اندیشہ ہے اور تصوف تزکیہ نفس کے ساتھ علم ضروری ہے ورنہ آدمی کے زندیق ہو جانے کا اندیشہ ہے جب علم و تصوف دونوں چیزیں مل جائیں آدمی محقق بن جاتا ہے

جس طرح ظاہری گناہوں کو چھوڑنا فرض عین ہے بالکل اسی طرح باطنی گناہوں سے دل کو پاک کرنا فرض ہے اصلاح عقائد کا تعلق باطن سے ہے اور شہوات نفسانیہ جو بندہ کو خدا سے دور کرتی ہیں یہ بھی باطن ہی میں جنم لیتی ہیں لہذا ان کا پہچاننا اور انکا تدارک کرنا ضروری ہے۔ان باطنی اخلاق رزیلہ کے بارے میں مذکور ہے: **وإزالتها فرض عين ولا يمكن إلا بمعرفة حدودها وأسبابها وعلاماتها وعِلاجها فإنّ من لا يعرف الشر يقع فيه**

ردالمختار ج اص ۳۰

ان اخلاق رزیلہ کا خاتمہ فرض عین ہے اوران کا ازالہ بغیر اس کی حدود واسباب اور علامات کے جانے ممکن نہیں اس لیے کہ جو شر کو نہ پہنچانتا ہو وہ شر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اسی شر اور گناہوں کو پہچاننے کا نام علم تصوف ہے اور تفہیمات الھیہ میں مذکور ہے:

وتصحيح الاخلاص والاحسان هما اصل الدين الحنيف الذى ارتضاه الله العباده قال الله تبارك وتعالىٰ :وما أمروا الّا ليعبد الله مخلصين له الدين ....انهم كانوا قبل ذالك محسنين

دین حنیف یعنی دین اسلام کی اصل اخلاص اور احسان تصوف کی تصحیح کرنا ہے اور دین حنیفی وہ ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندوں کو نہیں حکم دیا گیا۔مگر یہ کہ وہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی خالص رکھتے ہوئے دین کو۔ان آیات بینات سے ثابت ہوا کہ تصوف یعنی تزکیہ نفس تو مامور شرعی ہے اور اللہ کے نازل کردہ حکم کو کفر وشرک قرار دینا یہی توحید ہے جس کا درس مسعود صاحب اپنے متبعین کو دینا چاہتے ہیں اس بے باکی کا نتیجہ مسعود احمد صاحب کے جانشین اشتیاق احمد کا وہ معرکہ جس میں انہوں نے اپنے ایک مسلم کی

خوبصورت بیوی کو ہائی جیک کرلیا اور وہ مسلمان اب تک در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے کہ میری ہما مجھے زانی امیر سے واپس دلا دو۔

فرصت کبھی ملی تو سنائیں گے داستان

کیا کیا ستم ہوئے ہیں یہاں رہبری کے ساتھ

مسئلہ رفع الیدین اور جماعت المسلمین:

امت مسلمہ کے تمام مسالک کے برعکس مسعود احمد نماز میں رفع الیدین کو فرض قرار دیتے ہوئے کہتا ہے

نماز میں چار جگہ رفع الیدین فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی

صلوٰۃ المسلمین ضمیمہ رفع الیدین خلاصہ تلاش حق صفحہ نمبر (79)

اہل السنۃ والجماعت اور مسئلہ رفع الیدین

نماز پنجگانہ شروع کرتے وقت صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے، اس کے علاوہ باقی پوری نماز میں نہ کیا جائے۔ رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے۔

(بدائع الصنائع ج 1 ص 208 فصل وماسنہا فتیر، فتاوی عالمگیری ج 1 ص 72 **الفصل الثالِث فی سننِ الصلوة وآدابِها ویفِیتِها**)

دلائل اہل السنۃ والجماعت:

اللہ تعالی کا فرمان ھے: قدا فلح المؤمِنون ۔ الذِین ھم فِی صلاتِھِم خاشِعون،(المومنون:2،1)

ایمان والوں نے یقیناً فلاح پائی ہے جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں۔

(آسان ترجمہ قرآن از مفتی تقی عثمانی)

تفسیر نمبر:1

قال الامام ابو طاھرمحمد بن یعقوب الفیروزآبادی: اخبرنا عبد الله الثق ابن المامور الھروی قال اخبرنا ابی قال اخبرنا ابو عبد الله قال اخبرنا ابو عبید الله محمود بن محمد الرازی قال اخبرنا عمار بن عبد المجید الھروی قال اخبرنا علی بن سحاق السمرقندی عن محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی الله عنھما قال }الذِین ھم فِی صلاتِھِم خاشِعون{مخبتون متواضعون لایلتفتون یمینا ولاشمالا ولا یرفعون ایدیھم فی الصلاۃ،(تفسیر ابن عباس ص212)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خاشعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو جھکنے والے عاجزی کرنے والے ہیں اور اپنی نمازوں میں دائیں بائیں بھی نہیں جھانکتے اور نماز کے اندر رفع الیدین بھی نہیں کرتے۔

تفسیر نمبر2:

قال الحسن البصری رحمہ الله: ای خائفون وروی عنہ انہ قال خاشعون الذین لایرفعون ایدیھم فی الصلو ۃالا فی التکبیر الاولی ،(تفسیر السمر قندی ج2ص408طبع بیروت)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع الیدین کرتے ہیں

<u>احادیث مبارکہ</u>

احادیث مرفوعہ:

دلیل نمبر1:

قال الامام الحافظ المحدث بو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مھدی الدارقطنی م385ھ : روی عبد الرحِیمِ بن سلیمان عن ابِی بکر النھشلِیِ عن عاصِمِ بنِ کلیب ، عن بِیه [عن علِی ، عنِ النبِیِ صل الله علیه وسلم : انه کان یرفع یدیهِ فِی اولِ الصلاِة ثم لا یعود.

اسناده صحیح ورواته ثقات

(کتاب العلل للدارقطنی

ج4 ص106 سوال 457)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع نماز میں رفع الیدین کرتے تھے اور دوبارہ پھر نہیں کرتے تھے

دلیل نمبر 2:

روی الامام الحافظ المحدث ا حمد بن شعیب ابو عبد الرحمن النسائی م303ھ:قال اخبرنا سوید بن نصر حدثنا عبد الله بن المبارک عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبد الله قال الاا خبرکم بصلا ۃ رسول الله صل الله علیه و سلم قال : فقام فرفع یدیه ا ول مرة ثم لم یعد ،

تحقیق السند: اسناده صحیح علی شرط البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ کیا میں تمہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز کی خبر نہ دوں پس وہ کھڑے ہوئے اور شروع میں رفع الیدین کیا دوبارہ نہیں کیا ۔۔۔۔واضح رہے یہ حدیث امام بخاری وامام مسلم کی شرط پر صحیح ہے

(سنن النسائی ج1 ص158 باب ترک ذلک ،السنن الکبری للنسائی ج1 ص۳۵۰، 351 رقم 1099 باب ترک ذالک)

دلیل نمبر 3:

روی الامام الحافظ المحدث احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن النسائی م303ھ: قال اخبرنا محمود بن غیلان المروزی حدثنا وکیع حدثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبدالله انه قال الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الا مرۃ واحدۃ،

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ کیا میں تمہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز نہ پڑھ کر دکھاؤں پس وہ کھڑے ہوئے اور صرف ایک دفعہ رفع الیدین کیا (دوبارہ نہیں کیا) ۔۔۔۔واضح رہے یہ حدیث امام بخاری وامام مسلم کی شرط پر صحیح ہے

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(سنن النسائی ج 1 ص 161، 162 باب الرخصة فی ترک ذلک، السنن الکبری للنسائی ص 221 رقم 645 باب الرخص فی ترک ذلک)

دلیل نمبر 4:

روی الامام ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی م 279ھ قال :حدثنا هناد نا وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعو د رضی الله عنه الا اصلی بکم صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الا فی او ل مرة

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ کیا میں تمہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز نہ پڑھ کر دکھاں پس وہ کھڑے ہوئے اور صرف ایک دفعہ رفع الیدین کیا۔

(دوبارہ نہیں کیا)

قال [ابوعیسی وفی الباب عن البرا بن عازب ۔]

قال ابوعیسی حدیث ابن مسعودرضی الله عنه،حدیث حسن وبه یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ صرف شروع میں رفع الیدین کرنے والاعمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشمار اہل علم صحابہ اورتابعین کا ہے یہی قول سفیان ثوری اوراہل کوفہ کا ہے

[وھوقول سفیان الثوری واہل الکوفۃ۔]

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم تغلیبا۔

(جامع الترمذی ج1ص59باب رفع الیدین عندالرکوع)

وفی نسخ الشیخ صالح بن عبد العزیز ص 1663باب ماجا ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یرفع الا فی اول مرة رقم الحدیث 257، مختصر الاحکام للطوسی ص109رقم 218طبع مكة مکرمة ،سنن ابی داود ج1ص116باب من لم یذکرالرفع عندالرکوع

دلیل نمبر5:

روی الامام ابوبکر اسماعیلی قال حدثنا عبد الله بن صالح بن عبد الله ابو محمد صاحب البخاری صدوق ثبت قال : حدثناا سحاق بن براهیم المروزِی ، حدثنا محمد بن جابر السحیمِ ، عن حماد ، عن براهیم ، عن علقمة، عن عبد الله ، قال : صلیت مع رسول الله صل الله علیه وسلم وابی بکر وعمر ، فلم یرفعوا یدیهم الا عند افتتاح الصلاة۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اورسیدنا ابوبکراور سیدنا عمر علیہم الرضوان کے پیچھے نمازیں پڑھیں یہ سب حضرات صرف شروع نماز میں ہی رفع الیدین کرتے تھے

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات

(کتاب المعجم لابی بکر اسماعیلی ج 2 ص 692،693 رقم 154 ،مسند ابی یعلی ص 922 رقم 5037)

دلیل نمبر 6:

روی الامام اعظم ابوحنیفه رحمه الله یقول سمعت الشعبی یقول سمعت البراء بن عازب رضی الله عنه یقول کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حتی یحاذی منکبیه لایعود برفعهما حتی یسلم من صلوته،

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے۔تو کندھوں کے برابر رفع الیدین کرتے تھے۔ پھر اختتام نماز تک دوبارہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(مسند ابی حنیفۃ بروایۃ ابی نعیم ص 344 رقم 225 وفی نسخ ص 156 طبع الریاض)

دلیل نمبر 7:

روی الامام ا بو داود سلیمان بن الشعث السجستانی :قال حدثنا محمد بن الصباح البزاز نا شریك عن یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن البراء ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لایعود،

ترجمہ: حضرت براء سے مروی ہے کہ بیشک نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کانوں کے قریب تک اٹھاتے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے۔

اسنادہ صحیح علی شرط المسلم

(سنن ابی داود ج 1 ص 116 باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ،مسند ابی یعلی ص 400 رقم

الحدیث 1692،1691،1690)

دلیل نمبر 8:

روی الامام ابو بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی : قال]حدثنا سفیان قال [ثنا الزہری قال اخبرنی سالم بن عبداللہ عن ابیہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع فلایرفع ولا بین السجد تین،

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے کندھوں تک اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور اس کے بعد جو رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور نہ ہی دو سجدوں کے درمیان۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(مسند الحمیدی ج2 ص277 رقم 614 طبع بیروت، مسند ابی عوان ج1 ص334 باب بیان افتتاح الصلو)

دلیل نمبر 9:

روی الامام ا بو عوان یعقوب بن سحاق الاسفرائنی: قال حدثنا عبداللہ بن ایوب المخرِمِی و سعدان بن نصر وشعیب بن عمر وفی آخرِین قالوا حدثنا سفیان بن عیینۃ عن الزہری عن سالم عن ابیہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بہما وقال بعضہم حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع لایرفعہما وقال بعضہم ولایرفع بین السجدتین،

ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ ﷺ کو جب نماز

شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے دونوں کانوں کے برابر کرتے اور بعض نے کہا کہ اپنے کندھوں کے برابر اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم

(مسند ابی عوانة ج1ص 334 بیان رفع الیدین فی افتتاح الصلاة قبل التکبیر بحذاء منکبیه وللرکوع ولرفع رأسه من الرکوع وانه لا یرفع بین السجدتین، رقم1251، الخلافیات للبیهقی بحواله شرح سنن ابن ماجه لمغلطائی ج5ص1472 باب رفع الیدین اذا رکع واذارفع راسه من الرکوع وقال لاباس بسنده)

دلیل نمبر 10:

روی الامام الحافظ ابوعبدالله محمد بن الحارث الخشنی القیروانی : قال حدثنی عثمان بن محمد قال قال لی عبیدالله بن یحیی حدثنی عثمان بن سواد ابن عباد عن حفص بن میسر عن زید بن اسلم عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما قال کنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم بمکة نرفع ایدینا فی بدء الصلوة وفی داخل الصلوة عندالرکوع فلما هاجر النبی صلی الله علیه وسلم الی المدینة ترک رفع الیدین فی داخل الصلوة عندالرکوع وثبت علی رفع الیدین فی بدء الصلوٰة،

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم مکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے تو ہم نماز کے شروع میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اور نماز کے درمیان میں رکوع کے وقت جب آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ نے نماز کے درمیان میں رکوع کے وقت رفع یدین ترک

کردی اور نماز کے شروع میں رفع یدین پر ثابت رہے۔

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقاۃ۔

(اخبار الفقہاء والمحدثین ص 214 رقم 378 طبع بیروت)

احادیث موقوفہ

خلفاالراشدین رضی اللہ عنہم اور ترک رفع یدین:

دلیل نمبر 11:

روی الامام الحافظ المحدث ابویعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی التمیمی : قال حدثنا اسحاق بن ابی اسرائیل حدثنا محمد بن جابر عن حماد عن ابراھیم عن علقمه عن عبدالله قال صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیهم الا عند افتتاح الصلوة وقد قال محمد فلم یرفعوا ایدیهم بعدالتکبیر الاولی،

ترجمہ: حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو سوائے شروع نماز کے نہیں اٹھایا اور محمد راوی نے کہا کہ انہوں نے تکبیر اولی کے بعد اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا

تحقیق السند: اسنادہ حسن ورواتہ ثقات۔

(مسند ابی یعلی ص 922 رقم الحدیث 5036، کتاب المعجم لابی بکر اسماعیلی ج2 ص 692، 693 رقم 154، الکامل لابن عدی ج7 ص 337 رقم الترجم 1646)

دلیل نمبر 12:

روی الامام الحافظ الفقیه ابوعبدالله محمد بن حسن الشیبانی: قال اخبرنا ابوبکر بن عبدالله النهشلی عن عاصم بن کلیب الجرمی عن

ابیه وکان من اصحاب علی ان علی بن ابی طالب کرم الله وجهه کان یرفع یدیه فی التکبیرة الاولی التی یفتتح بها الصلوة ثم لا یرفعهما فی شیء من الصلوٰة،

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے تھے کہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تکبیر اولی کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جس سے نماز شروع کرتے ہیں پھر نماز کے اندر کسی حالت میں ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات۔

(موطا امام محمد ص 94 باب افتتاح الصلوۃ، کتاب الحج للامام محمد ج 1 ص 76 باب افتتاح الصلوۃ و ترک الجہر، المدونۃ الکبری ج 1 ص 166 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام)

دلیل نمبر 13:

روی الامام زید بن علی بن الحسین بن علی الهاشمی عن ابیه عن جده رضی الله عنه عن علی بن ابی طالب کرم الله وجهه انه کان یرفع یدیه فی التکبیرة الاولی الی فروع اذنیه ثم لا یرفعهماحتی یقضی صلوته۔

ترجمہ: علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ وہ پہلی تکبیر کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے کانوں کے لوتک پھر نماز ختم ہونے تک ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح وراتہ ثقات

(مسند الامام زید ص 89 باب التکبیر فی الصلوۃ، ص 149 باب الصلو علی المیت وکیف یقال ذلک)

دیگر صحابہ کرام اور ترک رفع یدین:

دلیل نمبر 14۔

روی الامام الاعظم ابوحنیفة التابعی الکوفی : عن حماد عن ابراهیم

عن الاسود ان عبدالله بن مسعود رضی الله عنه کان یرفع یدیه فی اول التکبیر ثم لایعود لشیء من ذالك،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔

(مسند ابی حنیف بروایۃ الحارثی ج 2 ص 502 رقم الحدیث 801، جامع المسانید بروایۃ الخوارزمی ج 1 ص 355 رقم 1867، مختصر خلافیات البیہقی لاحمد بن فرح ج 2 ص 77)

دلیل نمبر 15:

روی الامام ا بو عبد الله بن محمد بن ا بی شیبة العبسی الکوفی : قال حدثنا ابوبکر بن عیاش عن حصین عن مجاهد قال ما رایت ابن عمر یرفع یدیه الا فی اول ما یفتتح ،

ترجمہ: حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ ابن عمرؓ کو میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے اس تکبیر کے جس سے نماز شروع کی جاتی ہے۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 1 ص 268 رقم 13 باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود)

یہ طریق صحیح بخاری میں بھی موجود ہے: حدثنا عبداللہِ بن ابی شیبۃ حدثنا ابوبکر [بن عیاش] الخ (ج 1 ص 274 باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان)

دلیل نمبر 16:

روی الامام ابوجعفرا حمد بن محمد بن سلا م الطحاوی : قال حدثنا ابن ابی داود قال ثنا احمد بن یونس قال ثنا ابوبکر بن عیاش عن حصین عن مجاهد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیر ةالاولی من الصلوٰة،

ترجمہ: مجاہد سے مروی ہے کہ میں نے ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے مگر

نماز کی پہلی تکبیر میں۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(سنن الطحاوی ج 1 ص 163 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود)

یہ طریق صحیح بخاری میں بھی موجود ہے: ابوبکر] ابن عیاش عن حصین الخ

دلیل نمبر 17:

قال الامام الفقیه ابو عبدالله محمد بن الحسن الشیبانی: ان فقیههم]اهل المدینة [مالك بن انس قدروی عن نعیمِ بنِ عبدِ اللهِ المجمِرِ وابی جعفر القاری انهما اخبراه ان ابا هریرة رضی الله عنه کان یصلی بهم فیکبر کلما خفض ورفع ،قالا: وکان یرفع یدیه حین یکبر ویفتتح الصلوٰة ۔

ترجمہ: نعیم بن عبداللہ اور ابوجعفر سے مروی ہے کہ ابوھریرۃؓ انکو نماز پڑھاتے تھے جب بھی نماز میں جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے جس وقت تکبیر کہہ کر نماز شروع فرماتے۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(کتاب الحج للامام محمد ج 1 ص 75 باب افتتاح الصلوۃ وترک الجہر بسم اللہ، وموطا الامام محمد ص 90 باب افتتاح الصلوٰۃ)

دلیل نمبر 18:

قد روی الامام الحافظ المحدث ابوبکر عبد الله بن محمد بن ابی شیبة العبسی الکوفی : قال حدثنا ابن فضیل عن عطا عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی الله عنهما قال لاترفع الایدی الافی سبع مواطن اذا قام الی الصلوة واذا رای البیت وعلی الصفاوالمروة وفی عرفات و فی جمع وعند الجمار،

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیرؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہاتھوں کونہیں اٹھایا جائیگا مگر سات مقامات پر جب نماز کیلئے کھڑا ہو اور جب بیت اللہ کو دیکھے اور صفا مروۃ پر اور عرفات میں اور مزدلفہ میں اور رمی جمار کے وقت۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1 ص 267، 268 رقم الحدیث 11 باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرثم لا یعود،)

1500 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ترک رفع الیدین:

کوفہ وہ اسلامی شہر ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ بنایا تھا۔اس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد آ کر قیام پذیر ہوئی۔مورخین نے اس کی تعداد 1500 بیان کی ہے۔

امام احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی م 261ھ فرماتے ہیں:

نزل الكوفة الف وخمس مأة من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ،(تاريخ الثقات للعجلى ص517باب فيمن نزل الكوفة وغيرها من الصحابة)

اور کوفہ میں قیام پذیر تمام حضرات نے شروع نماز کے علاوہ رفع یدین چھوڑ دیا تھا،جیسا کہ ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے؛

1: قال الامام الحافظ بو عمر يوسف بن عبد الله ابن عبد البر القرطبى م463ھ : قال الامام ابوعبدالله محمد بن نصر المروزِى فى كتابه فى رفع اليدين من الكتاب الكبير: لانعلم مصرا من الامصار ينسب الى اهله العلم قديما تركوا باجماعهم رفع اليدين عندالخفض والرفع فى الصلوة الا اهل

الكوفة،

ترجمہ: امام ابوعبداللہ مروزیؒ نے اپنی کتاب رفع الیدین میں کہا ہے کہ ہم شہروں میں سے کسی شہر کو نہیں جانتے کہ جن کے اھل کی طرف علم کو منسوب کیا جائے کہ انہوں نے اپنے اجماع کیوجہ سے رفع یدین کو چھوڑا نماز میں جھکتے اوراٹھتے وقت ہوسوائے اہل کوفہ کے۔

(التمهيد لابن عبدالبرج 4 ص 187، الاستذکار لابن عبدالبر ج 1 ص 408 باب افتتاح الصلوۃ)

2: قال الامام المحدث ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی: وبہ [ترک رفع الیدین] یقول غیرواحد من اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھوقول سفیان واہل الکوفۃ

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ رفع یدین کے قائل بہت سارے اہل علم ہیں صحابہ اورتابعین میں سے اور یہی سفیان ثوری اوراہل کوفہ کا قول ہے۔

(جامع الترمذی ج 1 ص 59 باب رفع الیدین عندالرکوع، مختصرالاحکام للطوسی ج 2 ص 104)

<u>احادیث مقطوعہ</u>

دلیل نمبر 19 :

قد روى الامام الحافظ المحدث ابو بكر عبد الله بن محمد بن ابى شيبة العبسى الكوفى : قال حدثنا ابن مبارك عن اشعث عن الشعبى انه كان يرفع يديه فى اول التكبير ثم لايرفعهما،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 267 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لایعود، سنن الطحاوی ج 1 ص 164 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود)

دلیل نمبر 20:

روى الامام الحافظ المحدث ابوبكرعبد الله بن محمد بن ا بى شيبة

العبسی الکوفی : قال حدثنا یحیی بن سعید عن اسماعیل قال کان قیس [بن ابی حازم البجلی الکوفی]یرفع یدیه اول مایدخل فی الصلوۃ ثم لایرفعهما،

ترجمہ:حضرت اسماعیل سے مروی ہے کہ قیس بن ابی حازم اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے نماز میں داخل ہونے کے شروع میں پھر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص 267 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یعود، رقم10)

دلیل نمبر21:

روی الامام الفقیه محمد بن الحسن الشیبانی: قال اخبرنا محمد بن ابان بن صالح عن حماد عن ابراهیم النخعی قال لاترفع یدیك فی شیء من الصلوۃ بعدالتکبیرۃ الاولی،

ابراھیم نخعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مت اٹھا اپنے ہاتھوں کو نماز میں کسی حالت میں بھی پہلی تکبیر کے بعد۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح رواتہ ثقات

(موطا الامام محمد ص 92 باب افتتاح الصلوۃ)

دلیل نمبر22:

روی الامام الحافظ المحدث ابوبکر عبد الله بن محمد بن ابی شیبة العبسی الکوفی : عن الحجاج عن طلحة عن خیثم وابراهیم قال کانا لایرفعان ایدیهما الا فی بدء الصلوٰۃ ،

خیثم اور ابراھیم رحمۃ اللہ علیہما اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے مگر نماز کے شروع میں۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 267 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یعود)

دلیل نمبر 23:

روی الامام ابن ابی شیبة: قال حدثنا معاویة بن هشیم عن سفیان بن مسلم الجهنِی قال کان ابن ابی لیلی یرفع یدیه اول شیء اذاکبر،

سفیان بن مسلم جہنی سے مروی ہے کہ ابن ابی لیلی نماز کے شروع میں جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

تحقیق السند: اسنادہ جید

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 1 ص 268 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یعود)

دلیل نمبر 24:

روی الامام ابن ابی شیبة قال حدثنا وکیع وابواسامة عن شعبة عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبدالله واصحاب علی لایرفعون ایدیهم الافی افتتاح الصلوٰة، قال وکیع ثم لایعودون،

ترجمہ: ابواسحاق سے مروی ہے کہ عبداللہ اور علی رضی اللہ عنہما کے اصحاب سوائے شروع نماز کے اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ وہ اعادہ نہیں کرتے تھے۔

اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 1 ص 267 باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لا یعود، الاوسط فی السنن لابن المنذر ج 3 ص 148، 149، رقم الحدیث 1391 باب ذکر رفع الیدین عندالرکوع وعندالرفع)

<u>بلاد اسلامیہ اور ترک رفع الیدین</u>

<u>اہل مکہ اور ترک رفع الیدین:</u>

روی الامام ابوداود سلیمان بن الاشعث : قال حدثنا قتیبة بن سعید نا ابن لهیع عن ابی هریرة رضی الله عنه عن میمون المکی انه رای عبدالله بن الزبیر وصلی بهم یشیر بکفیه حین یقوم وحین یرکع وحین یسجد وحین ینهض للقیام فیقوم فیشیر بیدیه فانطلقت الی ابن عباس فقلت انی رایت ابن الزبیر صلی صلوا لم ار احدا یصلیها فوصفت له هذه الاشارة فقال ان احببت ان تنظر الی صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فاقتد بصلوةعبدالله بن الزبیر۔

ترجمہ: میمون مکی سے مروی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن زبیر کو دیکھا ابن زبیر نے انہیں نماز پڑھائی اپنے ہتیلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے اٹھتے وقت رکوع کرتے وقت اور سجدہ کرتے وقت قیام کیلئے اٹھتے وقت پس وہ کھڑے ہوتے اور اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے میں ابن عباس کے پاس گیا میں نے کہا کہ میں نے زبیر کو دیکھا وہ اسطرح نماز پڑھتا ہے اس طرح نماز پڑھتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا میں نے ابن عباس سے اس اشارہ کو بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تو پسند کرتا ہے کہ حضور ﷺ کی نماز کو دیکھے تو ابن زبیر کی نماز کی اقتداء کر۔

(سنن ابی داود ج 1 ص 115 باب افتتاح الصلو، مسند احمد ج 1 ص 335 رقم 2312)

فائدہ: لفظ "**لم اری احدا یصلیها**" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل مکہ عموماً ترک رفع یدین کے قائل و فاعل تھے۔

اہل مدینہ اور ترک رفع الیدین:

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے فقیہ ہیں، آپ کے بارے میں منقول ہے:

قال الامام الفقیه مالک بن انس المدنی :لا اعرف رفع الیدین فی شیء

من تکبیرة الصلوة، لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوٰة......قال ابن القاسم : وکان رفع الیدین عند مالك ضعیفا الا فی تکبیرة الاحرام،

مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ میں نماز کے تکبیروں میں سے کسی چیز میں رفع یدین کو نہیں جانتا نہ جھکنے میں اور نہ اٹھنے میں سوائے نماز کے شروع میں ابن قاسم نے کہا کہ مالکؒ کے نزدیک رفع یدین ضعیف تھا سوائے تکبیر تحریمہ میں۔

(المدون الکبری للامام مالک ج1 ص 165 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام، التمہید لابن عبدالبر ج4 ص187)

اہل کوفہ اور ترک رفع الیدین:

1: قال الامام الحافظ بو عمر یوسف بن عبد الله ابن عبد البر القرطبی م463ھ : قال الامام ابوعبدالله محمد بن نصر المروزِی فی کتابه فی رفع الیدین من الکتاب الکبیر: لانعلم مصرا من الامصار ینسب الی اهله العلم قدیما ترکوا باجماعهم رفع الیدین عندالخفض والرفع فی الصلو ةالا اهل الکوفة،

ترجمہ: ابونصر مروزی فرماتے ہیں۔کہ کسی شہر کو شہروں میں سے نہیں جانتا جس کے رہنے والے قدیم اہل علم نے رفع الیدین کو اس طرح ترک کیا ہو۔جیسے اہل کوفہ نے کیا ہے۔

(التمہید لابن عبدالبر ج4 ص187، الاستذکار لابن عبدالبر ج1 ص408 باب افتتاح الصلوٰة)

2: قال الامام الحافظ بو عمر یوسف بن عبد الله ابن عبد البر القرطبی م463ھ : فقال مالك فیما روی عنه ا بن القاسم یرفع للاحرام عند افتتاح الصلا ةولا یرفع فی غیرها..... وهو قول الکوفیین ابی حنیفة وسفیان الثوری والحسن بن حیی وسائر فقهاء الکوفة قدیما وحدیثا،

ترجمہ: امام مالک نے ابن قاسم کے مرویات میں فرمایا کہ نماز کے شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھوں کو اٹھایا جائیگا اوراس کے علاوہ میں نہیں اور یہی کوفیوں ابو حنیفہ اور سفیان ثوری اور حسن بن حی اور تمام فقہاء کوفہ قدیم ہوں یا جدید کا قول ہے۔

(الاستذکار لابن عبدالبر ج1 ص 408 باب افتتاح الصلو ،التمہید لابن عبدالبر ج4 ص187)

ائمۃ مجتہدین اور ترک رفع الیدین

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ م 150ھ:

قال ابوحنيفه رضى الله عنه اذا افتتح الرجل الصلوةكبر ورفع يديه حذو اذنيه فى افتتاح الصلوة ولم يرفعهما فى شىء من تكبيرالصلوة غير تكبيرة الافتتاح ،

ترجمہ: ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جب آدمی نماز کوشروع کرے تو تکبیر کہے اور اپنے ہاتھوں کو اٹھائے کانوں کے برابر نماز کے شروع میں اور نہ اٹھائے انکو شروع والی تکبیر کے بعد کسی بھی تکبیر میں۔

(کتاب الحج للامام محمد ج1 ص 74 باب افتتاح الصلوۃ وترک الجہر بسم اللہ، سنن الطحاوی ج1 ص165 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود الخ)

امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ م 161ھ:

قال الامام سفيان الثورى: ويرفع يديه الى حذا اذنيه مع هذه التكبيرة ثم لايرفعهما ابدا مع غير هذه التكبيرة،

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا جائیگا تکبیر تحریمہ کے ساتھ پھر کبھی نہیں اٹھایا جائیگا اس تکبیر تحریمہ کے علاوہ۔

(فقہ سفیان الثوری ص 560، جز رفع الیدین للبخاری ص 128 رقم الحدیث 133)

امام مالک بن انس المدنی م 179ھ:

قال الامام الفقیه مالك بن انس المدنی :لا اعرف رفع الیدین فی شیء من تکبیرة الصلوٰة، لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوة......قال ابن القاسم : وکان رفع الیدین عند مالك ضعیفا الا فی تکبیرة الاحرام،

ترجمہ: سبقت۔

(المدون الکبری للامام مالک ج1 ص 165 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام، التمہید لابن عبدالبر ج4 ص 187)

امام ابو یوسف القاضی م 181ھ:

[ترک رفع الیدین مع تکبیرة النہوض وتکبیرة الرکوع] وھوقول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالی۔

(سنن الطحاوی ج1ص 165 باب التکبیر للرکوع و التکبیر للسجود والرفع من الرکوع الخ)

امام محمد بن حسن الشیبانی م 189ھ:

قال الامام ابو سلیمان الجوزجانی رحمه الله: قلت:أرء یت الرجل اذا صلی هل یرفع یدیه فی شیء من تکبیر ةالصلوة حین یرکع او حین یسجد او حین یرفع راسه من الرکوع او حین یرفع راسه من السجود ؟ قال: [الامام محمد بن الحسن الشیبانی]لایرفع یدیه فی شیء من ذلك الا فی التکبیر ةالتی یفتتح بها الصلوٰة ،

(کتاب الاصل المعروف بالمبسوط لامام محمد ج1ص13 باب افتتاح

الصلو وما يصنع الامام ،موطا امام محمد ص 91،90،سنن الطحاوی ج1ص 165 باب التكبير للركوع و التكبير للسجود والرفع من الركوع الخ)

ان مندرجہ بالا دلائل و براہین سے واضح ہوا کہ مسعود احمد بی ایس سی کا نظریہ رفع الیدین امت مسلمہ کے کسی بھی طبقہ سے میل نہیں کھاتا۔ مسلک اہل حدیث کے سرخیل مولانا ثناءاللہ امرتسری مرحوم نے نماز میں رفع الیدین کو استحباب پر محمول کر کے یہ بتادیا۔ کہ اس مسئلہ میں تشدد نہیں (رسائل ثنائیہ)۔لیکن جماعت المسلمین کی فتویٰ بازی اور اسے بغیر کسی نص شرعی کے فرض قرار دینا شریعت سازی ہے۔جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نماز تراویح اور جماعت المسلمین

مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ

تراویح ایک رکعت بھی کافی ہے) منہاج المسلمین صفحہ نمبر۔۔۔)

مذہب اہل السنّت والجماعت:

تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہے۔

دلائل

احادیث مرفوعہ:

دلیل نمبر 1:

قال الامام الحافظ المحدث ابوبكر عبد الله بن محمد بن ا بی شيبة العبسی االكوفی)م 235ھ : (حدثنا يزيد بن هارون ، قال :ا خبرنا براهِيم بن عثمان ، عنِ الحكمِ ، عن مِقسم ، عنِ ابنِ عباس : ن رسول اللهِ صل الله عليه وسلم كان يصلِی فِی رمضان عِشرِين ركعة والوِتر

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

.

تحقیق السند: **اسنادہ حسن و قد تلقتہ الامۃ بالقبول فھو صحیح۔**

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 2 ص 284 باب م یصلی فی رمضان من رع . المعجم الکبیر للطبرانی ج5 ص 433 رقم 11934، المنتخب من مسند عبد بن حمید ص 218 رقم 653، السنن الکبریٰ للبیھقی ج2 ص 496 باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان.)

دلیل نمبر 2:

روی الامام المورخ ابو القاسم حمزۃ بن یوسف السھمی الجرجانی)م427ھ :(حدثنا ابو الحسن علی بن محمد بن حمد القصری الشیخ الصالح رحمه الله حدثنا عبد الرحمن بن عبد المؤمن العبد الصالح قال اخبرنی محمد بن حمید الرازی حدثنا عمر بن هارون حدثنا ابراهیم بن الحناز عن عبد الرحمن عن عبد الملك بن عتیك عن جابر بن عبد الله قال خرج النبی صل الله علیه و سلم ذات لیلة فی رمضان فصل الناس اربعةوعشرین رکعة واوتر بثلاثة

ترجمہ: جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نکلے آپ ﷺ رمضان میں ایک رات لوگوں کو چوبیس رکعات پڑھائے اور تین رکعات کو وتر بنایا۔

نوٹ: یعنی چار رکعت فرض نماز عشاء، بیس رکعات تراویح اور تین وتر

اسنادہ حسن ورواتہ ثقات۔

(تاریخ جرجان للسھمی ص 317، فی نسخۃ 142)

احادیث موقوفہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ کے دور خلافت کی تراویح کی تعداد رکعت بیان کرنے والے چھ حضرات ہیں۔ یہ تمام حضرات بیس رکعات ہی روایت کرتے ہیں) مضطرب وضعیف روایات کا کوئی اعتبار نہیں (ذیل میں روایات پیش خدمت ہیں:

1: حضرت ابی بن کعب:

عن ابی بن کعب ان عمر امر ابی ان یصلی بالناس فی رمضان فقال ان الناس یصومون النهار ولا یحسنون ان یقرؤا فلو قرأت القرآن علیهم باللیل فقال یا امیر المؤمنین هذا شیء لم یکن فقال قد علمت ولکنه احسن فصلی بهم عشرین رکعة۔

ترجمہ: ابی بن کعب سے مروی ہے کہ عمرؓ نے ابی کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں نماز پڑھائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں وہ قراءت کرنا اچھی طرح نہیں جانتے اگر آپ انکو قرآن پڑھا دیں رات کے وقت تو ابی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ ایسا کام ہے جو ہوتا نہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں لیکن یہ بہت اچھا ہے تو ابی نے لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات۔

(مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیر المہر للبوصیری ج 2 ص 424 باب فی قیام رمضان وماروی فی عدد رکعاتہ،)

2: حضرت یحیٰ بن سعید:

عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین

رکعة۔

ترجمہ: یحی بن سعید سے مروی ہے کہ عمر بن خطابؓ نے ایک آدمی کو حکم کیا کہ لوگوں کو بیس رکعات نماز پڑھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285)

6: حضرت حسن بصری:

عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بهم عشرین رکعة۔

ترجمہ: حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا ابی بن کعب کے پاس رمضان کے قیام (نماز تراویح) کیلئے تو حضرت ابیؓ ان کو بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

(سنن ابی داد ج1 ص 211 باب القنوت فی الوتر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

کانوا یقومون علی عهدِ عمر بنِ الخطابِ رضيِ الله عنه فيِ شهرِ رمضان بِعِشرِين رکعة وکانوا یقرء ون بِالمِئِینِ ، وکانوا یتوکؤن عل عصِیهِم فيِ عهدِ عثمان بنِ عفان رضِ الله عنه مِن شِدةِ القِیامِ۔

ترجمہ: لوگ حضرت عمر بن خطابؓ کے دور میں رمضان کے مہینے میں قیام کرتے بیس رکعات کی اور وہ مئین (وہ سورتیں جن میں دوسو آیات ہوں) سے پڑھتے تھے۔ اور لوگ حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانے میں اپنی لاٹھیوں کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے شدۃ قیام کیوجہ سے۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ج2 ص 496 باب ماروِی فی عددِ رکعاتِ القِیامِ فِی شهرِ رمضان)

اس روایت کی سند بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھی۔اس تراویح کو روایت کرنے والے تین حضرات ہیں۔ان کی مرویات پیشِ خدمت ہیں:

1: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

حدثنی زید بن علی عن ابیه عن جده عن علی انه امرالذی یصلی بالناس صلا ۃ القیام فی شهر رمضان ان یصلی بهم عشرین رکعة یسلم فی کل رکعتین ویراوح مابین کاربع رکعات فیرجع ذوالحاجة ویتوضاالرجل وان یوتر بهم من آخر اللیل حین الانصراف۔

ترجمہ: حضرت علیؓ نے لوگوں کو رمضان کے مہینے میں نماز پڑھانے والے کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائیں۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے اور ہر دو ترویحہ کے بعد چار رکعت کی مقدار بیٹھے تاکہ حاجت والا حاجت پورا کر کے واپس لوٹ آئے اور وضوء کرنے والا وضوء کر لے۔اور ان کو وتر پڑھائے اخیر وقت میں جب جانے لگیں۔

(مسند الامام زید ص158،159)

اس روایت کی سارے راوی اہل بیت کے ہیں اور ثقہ ہیں۔

2: حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی:

عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتربهم۔

ترجمہ: علیؓ نے رمضان میں قراء کو بلایا اور ان کو حکم کیا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے اور علیؓ خود وتر پڑھاتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیھقی ج2 ص496)

3: حضرت ابوالحسنا:

عنِ ابِی الحسناِء: ان علِیا مر رجلا یصلِی بِهِم فِی رمضان عِشرِین رکعة.

ترجمہ: ابوالحسناء سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم کیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات پڑھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص285، السنن الکبری ج2 ص497)

اسنادہ حسن۔ اس روایت کی سند حسن درجہ کی ہے۔

فائدہ: اس روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے حکم دینے کا ذکر ہے۔

دیگر صحابہ و تابعین:

1: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

کان ابن مسعودرضی الله عنه یصلی بنا فی شهر رمضان فینصرف وعلیه لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث۔

ترجمہ: ابن مسعودؓ ہمیں نماز پڑھاتے رمضان کے مہینے میں وہ واپس لوٹتے تو ان پر رات ہو جاتی اور کہا امام اعمش نے کہ وہ بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر کی پڑھاتے۔

(قیام اللیل للمروزی ص157)

فائدہ: اس روایت کی مکمل سند عمدۃ القاری شرح البخاری للعلامۃ عینی میں ہے جو کہ یہ ہے:

رواه محمد بن نصر المروزی قال اخبرنا یحی بن یحی اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن زید بن وهب قال کان عبد الله بن مسعود

(عمدالقاری ج 8 ص 246 باب فضل من قام رمضان)

2: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

حضرت عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث۔

ترجمہ: ابی بن کعب رمضان میں مدینہ میں لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے بیس رکعات اور تین رکعات وتر کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص 285 کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ:

آپ فرماتے ہیں:

ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا وعشرین رکعة بالوتر۔

میں نے لوگوں کو پایا اور وہ نماز پڑھتے تھے تیئیس رکعت وتر سمیت۔

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285)

امام ابراہیم النخعی:

آپ فرماتے ہیں:

ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان

لوگ رمضان میں پانچ ترویحہ پڑھتے تھے۔

اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(کتاب الآثار بروایہ ابی یوسف ص 41 باب السہو)

سیدنا شتیر بن شکل:

آپ کے بارے میں روایت ہے کہ:

عن شتیرِ بنِ شکل : انه کان یصلِی فِی رمضان عِشرِین رکعة والوِتر.

ترجمہ: شتیر بن شکل سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھاتے تھے۔

اسنادہ حسن ورواتہ ثقات

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص285 باب کم یصلی فِی رمضان مِن رکعۃ.)

سیدنا ابوالبختری:

آپ کے بارے میں روایت ہے

عن ابی البختریِ : انه کان یصلِی خمس ترویحات فِی رمضان ویوتِر بِثلاث

ابوالبختری پانچ ترویحہ پڑھاتے تھے رمضان میں اور تین وتر۔

اسنادہ حسن ورواتہ ثقات

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص285 باب کم یصلی فِی رمضان مِن رکعۃ.)

سیدنا سوید بن غفلہ:

آپ کے بارے میں روایت ہے:

واخبرنا ابو زکرِیا بن ابی اِسحاق اخبرنا ابو عبدِ اللهِ : محمد بن یعقوب حدثنا محمد بن عبدِ الوهابِ اخبرنا جعفر بن عون اخبرنا ابو الخصِیبِ قال : کان یؤمنا سوید بن غفلة فِي رمضان فیصلِی خمس ترویحات عِشرِین رکعة.

ترجمہ: ابوالخصیب کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ ہمیں رمضان میں ہماری امامت کراتے تو پانچ ترویحہ پڑھاتے بیس رکعات۔

(السنن البر للبیھقی ج2 ص 496 باب ما روِی فی عددِ رکعاتِ القِیامِ فی شہرِ رمضان .)

سیدنا ابن ابی ملیکہ:

آپ کے متعلق نافع بن عمر کہتے ہیں:

حدثنا وِکیع ، عن نافِعِ بنِ عمر ، قال : کان ابن ا بِی ملیکة یصلِی بِنا فِی رمضان عِشرِین رکعة

نافع بن عمرؒ کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان کے مہینہ میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص285 باب کم یصلی فِی رمضان مِن رکعۃ .)

سیدنا سعید بن جبیر:

آپ کے بارے میں اسماعیل بن عبد المالک فرماتے ہیں:

عن اسماعیل بن عبد المالك قال ان سعید بن جبیر یؤمنا فی شهر رمضان فکان یقرء بالقراء تین جمیعا یقرأ لیلة بقراء ة بن مسعود فکان یصلی خمس ترویحات.

(مصنف عبد الرزاق ج4 ص204 باب قیام رمضان)

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ رمضان کے مہینے میں ہماری امامت کرواتے تھے آپ دونوں قراتیں پڑھتے تھے ایک رات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات (اور دوسری رات حضرت عثمان کی قرات) آپ رحمہ اللہ پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعت) پڑھتے تھے۔

سیدنا علی بن ربیعہ:

آپ کے بارے حضرت سعید بن عبید رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

عن سعِيدِ بنِ عبيد :كان علِی بن ربِيعِ ان يصلِی بِهِم فِی رمضان خمس ترويحات ويوتِر بِثلاث.

علی بن ربیع ان کونماز پڑھاتے تھے رمضان میں بیس ترویحہ اور تین وتر۔

اسنادہ حسن ورواتہ ثقات

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص 285 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

سیدنا حارث:

عنِ الحارِثِ : انه كان يؤم الناس فِی رمضان بِالليلِ بِعِشرِين ركعة ويوتِر بِثلاث

حارث لوگوں کی امامت کرتے رمضان میں بیس رکعات کی اور تین رکعات وتر کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص 285 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

جمہور علما کا موقف اور اجماع امت:

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

(1)--

اجمع الصحابه على ان التراويح عشرون ركعة۔

اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔

(المرقات ج3 ص194)

نیز شرح نقایہ میں لکھتے ہیں:

فصارا جماعالماروى البيهقى باسناد صحيح انهم كانويقيمون على عشرين ركعة على عهد عثمان وعلى رضى الله عنه۔

ہو گیا اجماع اس بات پر جو روایت کیا بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ کہ وہ (صحابہ) حضرت عثمانؓ اور

علیؓ کے عہد خلافت میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

(شرح نقایہ ج1 ص241)

(2)۔۔

وبالاجماع الذی وقع فی زمن عمر اخذ ابوحنیفه والنووی والشافعی واحمد والجمهور واختاره ابن عبدالبر۔

اس اجماع کو (جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں واقع ہوئی ہے) کو امام ابوحنیفہ اور امام نووی اور شافعی اور احمد اور جمہور نے لے لیا اور ابن عبدالبر نے اس کو اختیار کیا۔

(اتحاف سادا لمتقین ج3 ص422 بحوالہ تجلیات صفدر ج3 ص328)

<u>امام ترمذی فرماتے ہیں:</u>

(3)۔۔

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه و سلم عشرین رکعة۔

ترجمہ: اور اکثر اہل علم اس چیز پر ہیں جو مروی ہے حضرت علیؓ اور عمرؓ وغیرہ اصحاب النبی ﷺ سے بیس رکعت تراویح۔

(سنن الترمذی ج1 ص166)

(4)۔۔

مشہور فقیہ، ملک العلماء علامہ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں اس اجماع کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:

والصحیح قول العامة لماروی ان عمررضی الله عنه جمع ابی بن کعب فیصلی بهم فی کل لیلة عشرین رکعة ولم ینکر علیه احدفیکون اجماعامنهم علی ذلك۔

(بدائع الصنائع ج1 ص644)

(5)۔۔

مشہور محدث علامہ ابوزکریا یحیی بن اشرف نووی مشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم ان صلاۃ التراویح سنۃ باتفاق العلماء وھی عشرون رکعۃ۔

(کتاب الاذکار ص226)

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وھوقول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھا وھوالصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔

(عمدالقاری شرح صحیح بخاری ج8 ص246)

(7)۔۔

خاتمہ المحققین وسیع النظر عالم علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وھی عشرون رکعۃ)ھوقول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا۔

(ردمختار، لابن عابدین شامی ج2 ص495)

(8)۔۔

استاذ المحد ثین فقیہ النفس، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ اپنے رسالہ الحق الصریح میں فرماتے ہیں:

الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابه رضی الله عنه درآخر زمان عمررضی الله عنه ثابت شد پس سنت باشد وکسیکه از سنت آه انکار دار وخطاست۔(الحق الصریح ص14)

خلاصہ یہ کہ بیس رکعات کا ثبوت اجماع صحابہ سے آخر عہد فاروقی میں ثابت شدہ ہے لہذا یہی سنت ہے اور جو شخص اس کے سنت ہونے کا انکار کرے وہ غلطی پر ہے۔

بلاد اسلامیہ میں تعداد تراویح:

اہل مکہ:

1:امام دارالھجرۃ امام مالک بن انس فرماتے ہیں:

وبمکة بثلاث وعشرین (نیل الاوطار ج1 ص514)

2:امام عطا بن ابی رباح مشہور تابعی ہیں۔حضرت ابن عباس،حضرت ابن عمر وغیرہ جلیل القدر صحابہ کے شاگرد ہیں دوسو صحابہ کرام کی زیارت کی ہے(تہذیب ج4 ص488)

آپ مکی ہیں اپنے شہر میں پڑھی جانے والی تراویح کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ادرکت الناس وهم يصلون ثلاث وعشرين ركعة بالوتر

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص 285 باب م یصلی فی رمضان من رکعۃ.)

میں نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔

3:مشہور امام فقیہ محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں:

هكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة

(جامع ترمذی ج1 ص166)

اہل مدینہ:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے دارالخلافہ کی حیثیت سے عہد فاروقی میں

تراویح کو اجتماعی شکل دینے کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا جیسا کہ ماقبل میں با تفصیل گزرا کہ دور صدیقی وعثمانی میں مدینہ منورہ میں بیس رکعت ہی پڑھی جاتی رہی۔

1: حضرت ابن ابی ملیکہ مشہور تابعی ہیں تیس صحابہ کرام کی زیارت کی ہے آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں (تہذیب ج3 ص559)

آپ کے متعلق نافع بن عمر فرماتے ہیں:

کان ابن ابی ملیکه یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة،

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص 285 باب م یصلی فی رمضان من رکعۃ)

حضرت ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

2: حضرت داود بن قیس رحمہ اللہ جو مدینہ کے رہنے والے تھے مشہور محدث وحافظ تھے، فرماتے ہیں

ادرکت الناس بالمدینة فی زمن عمر بن عبدالعزیز وابان بن عثمان یصلون ستا وثلاثین رکعة ویوترون بثلاث

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص 285 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

میں نے مدینہ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ابان بن عثمان کے دور میں لوگوں کو چھتیس رکعت (تراویح) اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔

36 رکعات تراویح کیسے بنی؟ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

تشبیها باهل مکة حیث کانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافا ویصلون رکعتیه ولا یطوفون بعدالخامس فاراد اهل المدینة مساواتهم فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات ،(الحاوی للفتاوی ج1 ص336)

ترجمہ: اہل مدینہ نے اہل مکہ کی مشابہت کے لیے 36 رکعات اختیار کرلیں کیونکہ اہل مکہ چار رکعت کے بعد طواف کعبہ کر لیتے تھے اور پانچویں تروتح کے بعد وہ طواف نہیں کرتے تھے۔ پس اہل مدینہ طواف کی جگہ پر 4 رکعات کے بعد 4 رکعات نفل پڑھ لیتے تھے۔

گویاان کی اضافی رکعات تراویح کا حصہ نہ تھیں بلکہ درمیان کی نفلی عبادت میں شامل تھیں۔تراویح فقط بیس رکعات تھیں۔

اہل کوفہ:

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی میں 17 ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے عظم المرتبت صحابی کو تعلیم وتدریس کے لیے کوفہ شہر بھیجا گیا۔حضرت علی نے اسے دارالخلافہ بنایا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس شہر میں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہا موجود تھے امام بخاری فرماتے کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ کوفہ طلب حدیث کے لیے کتنی مرتبہ گیا ہوں (مقدمہ نصب الرای للکوثری ملخصا)

1: کوفہ کے مشہور فقیہ، مفتی اہل کوفہ حضرت ابراہیم بن یزید نخعی فرماتے ہیں:

الناس كانوا يصلون خمس ترويحات فى رمضان

(کتاب الاثار ص 41)

2: مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر جنہوں حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ جیسے القدر صحابہ سے علم حاصل کیا کوفہ ہی میں شہید کیے گئے، آپ کے بارے میں منقول ہے:

عن ا سماعيل بن عبد الملك قال كان سعيد بن جبير يؤمنا فى شهر رمضان فان يقر بالقراتين جميعا يقرء ليلة بقرا ئة بن مسعود فكان يصلى خمس ترويحات

(مصنف عبدالرزاق ج 4 ص 204 باب قیام رمضان)

3: حضرت شتیر بن شکل، حضرت علی کے شاگرد تھے کوفہ میں رہائش پذیر تھے آپ کے بارے میں روایت ہے کہ:

عن شتيرِ بنِ شل :ا نه كان يصلِى فِى رمضان عِشرِين ركعة والوِتر.

اسنادہ حسن ورواتہ ثقات

(مصنف ابن بی شیب ج2 ص285 باب م یصلی فی رمضان من رکعۃ.)

4: حضرت حارث ہمدانی، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد تھے، 65ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ آپ کے بارے میں روایت ہے کہ:

عنِ الحارثِ : انه كان يؤم الناس فِى رمضان بِالليلِ بِعِشرِين ركعة ويوتِر بِثلاث

(مصنف ابن ابی شیب ج2 ص 285 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

5: مشہور تابعی امام سفیان ثوری کوفہ کے رہنے والے تھے 161ھ میں وفات پائی آپ بھی بیس رکعات تراویح کے قائل تھے،

قال الترمذی رحمه الله : روى عن عمر و على وغيرهما من اصحاب النبى صل الله عليه و سلم عشرين ركعة وهو قول الثورى

(سنن الترمذی ج1 ص 166 باب ما جاء فی قیام شہر رمضان)

اہل بصرہ:

حضرت یونس بن عبید جو حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے شاگرد اور سفیان ثوری و شعبہ کے استاد ہیں فرماتے ہیں کہ:

ادركت مسجدالجامع قبل فتنة ابن الاشعث يصلى بهم عبدالرحمن بن ابى بكر وسعيد بن ابى الحسن وعمران العبدى كانوا يصلون خمس تراويح

(قیام اللیل للمروزی ص158)

ترجمہ: میں نے ابن الاشعث کے فتنہ سے پہلے جامع مسجد بصرہ میں دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، حضرت سعید بن ابی الحسن اور حضرت عمران عبدی رحمہ اللہ لوگوں کو پانچ ترویحے (بیس رکعت) پڑھاتے تھے۔

ابن الاشعث کا فتنہ 83ھ میں بصرہ میں برپا ہوا تھا گویا کہ 83ھ تک بصرہ میں بھی 20 رکعات تراویح کا ہی رواج تھا۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور بیس رکعات تراویح:

ائمہ بیس رکعات کے قائل تھے اور تفصیل پیش خدمت ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ:

امام اعظم فی الفقہا امام ابوحنیفہ اور آپ کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

1: علامہ ابن رشد اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

فاختار ---ابو حنیفة--- القیام بعشرین رکعة سوی الوتر۔(ج1ص214)

2: امام فخر الدین قاضی خان حنفی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفة قال القیام فی شھررمضان سنة.....کل لیلة سوی الوتر عشرین رکعة خمس ترویحات

(فتاوی قاضی خان ج1ص112)

3: علامہ ابن عابدین شامی جو فقہ حنفی کے عظیم محقق ہیں، فرماتے ہیں:

(قوله وعشرون رکعة) وھوقول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقاوغربا

(ردالمحتار ج2ص495)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ:

امام مالک نے ایک قول کے مطابق بیس رکعت تراوین کو مستحسن کہا ہے چنانچہ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

واختار مالك فی احد قولیه .....القیام بعشرین رکعة

(بدایۃ المجتہد ج1ص214)

دوسرا قول چھتیس رکعت کا ہے جن میں بیس رکعت تراویح اور سولہ نفل تھیں تفصیل گزر چکی ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ:

ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، آپ فرماتے ہیں:

احب الی عشرون ----وكذالك يقومون بمكة

(قیام اللیل ص159)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

وهكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة

(الترمذی ج1 ص 166 باب ماجا فی قیام شہر رمضان)

مشہور شافعی عالم محقق العصر امام النووی دمشقی فرماتے ہیں:

اعلم ان صلوة التراويح سنة باتفاق العلماء وهى عشرون ركعة۔

(کتاب الاذکار ص226)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

آپ مجتہد اور بہت بڑے محدث تھے۔ بیس رکعت تراویح کے قائل تھے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان امام ابن قدامہ لکھتے ہیں:

والمختار عندابى عبدالله (احمد بن حنبل) فيها عشرون ركعة وبهذا قال الثورى وابوحنيفه والشافعى

(المغنی ج1 ص802)

مشائخ کرام اور بیس رکعت تراویح:

امت مسلمہ میں جو مشائخ کرام گزرے ہیں ان کا عمل واخلاق حسن کردار اس امت کے

لیے قابل اتباع ہے ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی بیس رکعت پر عمل پیرا نظر آتے ہیں جو یقیناً رشد و ہدایت کی دلیل ہے چند مشہور مشائخ کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔

1: شیخ ابو حامد محمد غزالی م 505ھ:

التراويح وهى عشرون ركعة وكيفيتها مشهورة وهى سنة موكدة

(احیا العلوم ج 1 ص 123)

2: شیخ عبدالقادر جیلانی م 561ھ:

آپ اپنی مشہور کتاب غنی الطالبین میں تراویح سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

صلوة التراويح سنة النبى وهى عشرون ركعة،

(ص 267، 268)

3: شیخ امام عبدالوہاب شعرانی م 973ھ:

آپ مشہور محدث، فقیہ اور سلسلہ تصوف میں ایک خاص مقام کے مالک تھے اپنی مشہور زمانہ کتاب المیزان الکبری میں تحریر فرماتے ہیں:

التراويح فى شهر رمضان عشرون ركعة

(ص 153)

حرمین شریفین اور بیس رکعات تراویح:

اسلام کے دو مقدس حرم، حرم مکہ و حرم مدینہ میں چودہ سو سال سے بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا ثابت نہیں بلکہ بیس رکعت ہی متوارث و متواتر عمل رہا ہے۔ چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر التراویح اکثر من الف عام کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرما کر ثابت کیا ہے کہ چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعت متواتر عمل ہے اس سے کم ثابت نہیں۔ جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کی طرف سے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکہ مکرمہ کے استاد شیخ محمد علی صابونی کا ایک رسالہ ”

''**الهدى النبوى الصحيح فى صلوة التراويح** '' کے نام سے شائع کیا گیا ہے جس میں شیخ صابونی نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ و مسجد حرام میں ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانے کا ثبوت دیا ہے۔ لہٰذا بیس رکعات تراویح ہی سنت مؤکدہ ہے۔

تین طلاق اور جماعت المسلمین

تین طلاق کے واقع ہو جانے کے بعد شرعی حلالہ کی بجائے حرامہ کو فروغ دینے والوں مین جس طرح روافض قادیانی اور چند بے علم، کمعلم اور بے ہنر لوگ پیش پیش ہین جماعت المسلمین بھی اس کار شر میں پیش پیش ہے مسعود احمد لکھتا ہے

ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں صفحہ نمبر 711)

مذہب اہل السنۃ والجماعۃ:

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاق تین شمار ہوتی ہیں، بیوی خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور یہ بغیر حلالہ شرعی کے شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

(الھدایہ ج2 ص 355 باب طلاق السن، فتاوی عالمگیریہ ج 1 ص349 کتاب الطلاق الباب الاول، الدرالمختار ج3 ص232)

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ

قرآن مجید:

دلیل نمبر :1

قال الله تعالى : الطلاق مرتانِ فِامساك بِمعروف او تسرِيح بِاِحسان ۔

(البقرہ:)

(1):امام محمد بن اسماعیل البخاری (م:ھ) تین طلاق کے وقوع پر اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے باب قائم فرماتے ہیں

" با ب من اجاز طلاق الثلا ث"۔[وفی نسخ :باب من جوز طلاق الثلا ث]

لقوله تعا لی : الطلاق مرتانِ فِامساك بِمعروف او تسرِيح بإِحسان .

(2):امام ابوبکر احمد الرازی الجصاص (م:ھ) لکھتے ہیں:قولہ تعالی:

الطلا ق مرتا ن فامسا ك بمعروف اوتسريح باحسا ن يدل على وقوع الثلاث معا كو نه منهيا عنها ۔(احكام القر آ ن للجصا ص :ج ۱ :ص۵۲۷ ذكر الحجاج لايقاع الثلاث معا)

(3) امام ابوعبداللہ محمد ابن احمد الانصاری القرطبی (م:ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال علما ئنا واتفق ائمة الفتوى على لزوم ايقاع الطلا ق الثلا ث فی كلمة واحدة ۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی:ج::ص:)

دلیل نمبر2:

قال الله تعالى: فِان طلقها فلا تحِل له مِن بعد حتى تنِكح زوجا غيره.

(بقرۃ:)

مشہور صحابی اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اِن طلقها ثلاثا فلا تحِل له حتى تنكِح زوجاغيره۔

(السنن الکبری للبیہقی ج ۷ ص ۳۶۷ باب نکاح المطلق ثلاثا)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور فقیہ و محدث امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے

ہیں:

والقرآن يدل_والله اعلم _على ان من طلق زوجة له دخل بِها اولم يدخل بِهاثلاثالم تحِل له حتى تنكِح زوجا غيره۔

(کتاب الام للامام محمد بن ادریس الشافعی ج۲ص۱۹۳۹)

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اورامام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے الفاظ"ثلاثا" بیان فرمائے ہیں کہ اگر خاوند نے تین طلاقیں دی ہوں تو تینوں واقع ہوں گی، یادرہے یہ لفظ ثلاثا ہے نہ کہ ثالث

دلیل نمبر3:

يا يها النبِى اذا طلقتم النِساء فطلِقوهن لِعد تِهن

.(الطلاق:1)

اخرج الامام ابو بكرالبيهقى: وما الاثر الذىِ اخبرنا ابو علىِ الروذبارىِ اخبرنا ابو بكرِ بن داسة حدثنا ابو داود حدثنا حميد بن مسعدة حدثنا اِسماعِيل اخبرنا ايوب عن عبدِ اللهِ بنِ كثِير عن مجاهِد قال : كنت عِند ابنِ عباس رضيِ الله عنهما فجائه رجل فقال : اِنه طلق امرء ته ثلاثا قال فسكت حتى ظننا انه رادها اِليهِ ثم قال : ينطلِق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول : يا ابن عباس يا ابن عباس واِن الله جل ثناه قال (ومن يتقِ الله يجعل له مخرجا) وِن لم تتقِ الله فلا اجِد لك مخرجا عصيت ربك وبانت مِنك امرتك واِن الله قال (يا يها النبيِ ذا طلقتم النِسا فطلِقوهن)فيِ قبلِ عِدتِهن هكذا فيِ هذِهِ الروايةِ ثلاثا.

(السنن الکبری للبیہقی ج7ص 331 باب الاختیار للزوج ن لا یطلق لا واحد)

ترجمہ: حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ میں ابن عباسؓ کے پاس تھا ایک آدمی آیا اور آ کر کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ وہ خاموش ہو گیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ اس کو اس کی طرف رد کرنے والے ہیں پھر فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی آتا ہے حماقت پر سوار ہوتا ہے پھر کہتا ہے اے ابن عباس اے ابن عباس اور اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کیلئے راستہ بنائے گا۔ اور تو بیشک اللہ سے نہیں ڈرتا اور میں تیرے لیئے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تجھ سے تیری بیوی جدا ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا (اے نبی جب تم اپنے بیویوں کو طلاق دو تو انکو طلاق دے دو (اس کی عدت کے اندر اندر) اسطرح روایت میں تین بار ہے۔

احادیث مبارکہ

مرفوع احادیث:

دلیل نمبر 1:

قال الامام الحافظ المحدث الکبیر محمد بن اسماعیل البخاری حدثنی محمد بن بشار حدثنا یحی عن عبید اللہ قال حدثنی القاسم بن محمد عن عائشة ان رجلا طلق امرء ته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صل اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها ما ذاق الاول .

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۱ باب من اجاز طلاق الثلاث، صحیح مسلم ج 1 ص 463 باب لاتحل المطلق ثلاثا لمطلقھا، السنن الکبری للبیھقی ج 7 ص 334 باب ماجاء فی امضا الطلاق الثلاث وان کن مجموعات)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی تین طلاق پھر اس عورت نے دوسری شادی کی تو اس خاوند نے اسے طلاق دی پس آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کیا یہ

عورت اب پہلے خاوند کیلئے حلال ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں یہاں تک کہ وہ خاونداس عورت کی شہد چکھ لے جو پہلے نے چکھا ہے۔ یعنی اس عورت سے ہم بستری نہ کرے۔اس وقت تک پہلے کیلئے حلال نہیں ہے۔

استدلال:

1: امام بخاری، امام مسلم اورامام بیہقی رحمہم اللہ کا مؤقف

حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

فا لتمسك بظا هره قوله طلقها ثلا ثا فا نه ظا هر فی کو نها مجموعة ۔

(فتح الباری لابن حجر: ج:۹:ص:۴۵۵: باب من جوز الطلاق الثلاث)

ترجمہ: اس روایت کے الفاظ فطلقہا ثلا ثا سے استدلال کیا گیا ہے کیوں کہ یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نے تین طلاقیں ایک ساتھ دی تھیں۔

دلیل نمبر 2:

قال الإمام الحافِظ المحدِث الكبِير محمد بن إسمعِيل البخارِی

حدثناعبداللهِ بن يوسف قال اخبرنامالِك عنِ ابنِ شِهاب ان سهل بن سعد الساعِدِی اخبره قال عويمررضی الله عنه كذبت عليها يارسول اللهِ صلی الله عليه و سلم إِن امسكتها فطلقها ثلا ثا قبل ان يامره رسول اللهِ صلی الله عليه و سلم {وفِی رِواية ابی داؤد رحمه الله}قال:فطلقهاثلاث تطلِيقات عِند رسولِ اللهِ صلی الله عليه و سلم فانفذ ه رسول اللهِ صلی الله عليه و سلم۔

(صحیح البخاری جص باب من اجاز اطلاق الثلاث، سنن ابی داود جص باب فی اللعان، صحیح مسلم ج 1 : ص:۴۸۹،۴۸۸: کتاب اللعان، سنن نسائی: ج:۲:ص:۱۰۶،۱۰۷: کتاب الطلاق باب بد

اللعان جامع الترمذی: ج:۱:ص ۲۲۷:۲۲۶: ابواب الطلاق واللعان، باب ماجا فی اللعان)

ترجمہ: سہل بن ساعدی نے ابن شہاب کو خبر دیا کہ عویمرؓ نے فرمایا میں نے اس عورت پر جھوٹ بولا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میں اس کو روک دوں اس نے پہلے آپ ﷺ کے حکم سے اس کو تین طلاقیں دی تھیں۔ ابو دوؤدؒ کی روایت میں ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس عورت کو تین طلاقیں دیں اور آپ ﷺ نے ان طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

استدلال:

1: امام بخاری رحمہ اللہ کا باب باندھنا

2: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی واقع ہوسکتی ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولو کان ذالِك محرما لنهاه عنه .وقال :اِن الطلاق وِان لزِم فانت عاص باِن تجمع ثلاثا.

(السنن الکبری للبیہقی ج 7ص 329 باب الاختیار للزوج ان لا یطلق الا واحد)

اگر یہ حرام ہوتا تو نبی ﷺ انکو اس سے روکتے اور فرماتے بیشک اگر چہ طلاق تجھ پر لازم ہے اور تو گناہ کرنے والا ہوا تین طلاقیں جمع کرنے کیوجہ سے۔

3: امام ابوداد رحمہ اللہ کی یہ روایت

...فطلقهاثلاث تطلِيقات عِند رسولِ اللهِ صلى الله عليه و سلم فانفذ ه رسول اللهِ صلى الله عليه و سلم۔

دلیل نمبر 3:

قد روی الا م الحا فظ المحدث ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی قال اخبرنا سلیما ن بن دا ود عن وهب قال اخبرنا مخرمة عن ابیه قال سمعت محمود بن لبید قال اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق

امراته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبانا ثم قال ايلعب بكتا ب الله وانا بين ظهركم حتى قام رجل وقال يا رسول الله ﷺ أاقتله

(السنن النسائی:ج::ص:،الثلاث المجموع ومافیہ من التغلیظ)

ترجمہ:محمود بن لبید سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو خبر دیا گیا ایک آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو آپ ﷺ غصہ سے کھڑے ہوئے پھر فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں یہاں تک کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول کیا میں اس کو قتل کروں؟

حیثیت السند:

1:قال ابن القيم: اسناده على شرط مسلم.

(زادالمعاد ج5 ص 24 فصل فی حکمہ ﷺ فیمن طلق ثلاثا)

2:قال العلام الماردينى رحمه الله: وقد ورد فى هذا الباب حديث صحيح صريح فاخرج النسائى فى باب الثلاث المجموع وما فيه من التغليظ بسند صحيح عن محمود بن لبيد .(الجوهر النقى على البيهقى ج 7ص 333 باب الاختيار للزوج ان لا يطلق الا واحد)

3:قال ابن حجر رحمه الله:رواته مثقون.

(بلوغ المرام ص 442)

4:قال ابن كثير رحمه الله: اسناده جيد

(بحوالہ نیل الاوطار ج6 ص240، باب ما جاء فی طلاق البتۃ وجمع الثلاث واختیار تفریقھا)

استدلال:

1: اس روایت میں تین طلاقوں کا ذکر تو موجود ہے لیکن اس پر آپ ﷺ کا رد موجود نہیں ہے

۔اگر آپ علیہ السلام اس کو رد فرماتے تو حدیث میں ذکر ضرور موجود ہوتا۔دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا غضناک ہونا بھی وقوع طلاق کی مستقل دلیل ہے۔

2:امام نسائی رحمہ اللہ کا الثلاث المجموع و ما فیہ من التغلیظ باندھنا۔

دلیل نمبر 4:

قال الِامام الحافِظ علِی بن عمر الدارقطنِی ناعلِی بن محمدِ بنِ عبیدِالحافِظِ نامحمد بن شاذان الجوهرِی نامعلی بن منصور ناشعیب بن رزیق ان عطاء الخراسانِی حدثهم عنِ الحسنِ قال ناعبداللهِ بن عمررضِی الله عنهما انه طلق امرء ته تطلیقة وهی حائض ثم اراد ان یتبعها بتطلیقتین اخراوین عند القرئین فبلغ ذالك رسول الله صل الله علیه و سلم فقال : یا بن عمر ما هذا امرك الله ان قدأ خطات السنة والسنة ان تستقبل الطهر فیطلق لکل قروء قال فامرنی رسول الله صل الله علیه و سلم فراجعتها ثم قال اذا هی طهرت فطلق ا و امسك عند ذلك فقلت یا رسول الله رایت لو انی طلقتها ثلاثا اکان یحل لی ان اراجعها قال لا کانت تبین منك وتکون معصیة.

(سنن الدار قطنی ص 652 حدیث نمبر ۳۹۲۹ کتاب الطلاق والخلع والطلاق،السنن الکبری للبیہقی :ج:۷:ص:۳۳۴: کتاب الخلع والطلاق، باب ماجا فی امضا الطلاق الثلاث وان کن مجموعات،مجمع الزوائد ج 4 ص 618 باب طلاق السن ویف الطلاق،نصب الرایہ ج 3 ص 220)

ترجمہ:عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی پھر ارادہ کیا کہ باقی دو طلاقیں بھی دے پاکی کے وقت۔تو نبی کریم ﷺ کو یہ بات پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابن عمر کیا یہی حکم دیا اللہ تعالی نے آپکو تم نے سنت سے خطاء کیا اور سنت یہ ہے کہ تم

پاکی کا انتظار کرو پھر طلاق دیا جائے ہر پاکی میں تو ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رجوع کرنے کا حکم دیا میں نے رجوع کر لیا پھر فرمایا آپ ﷺ نے کہ جب وہ پاک ہو جائے تو اس کو طلاق دے دے یا اپنے پاس روکے رکھے میں نے کہا اے اللہ کے رسول مجھے خبر دیں اگر میں اسکو تین طلاقیں دوں تو میرے لئے اسے رجوع کرنا حلال ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے حلال۔ وہ تجھ سے بائنہ ہو جائیگی اور یہ تین طلاقیں اسطرح دینا گناہ ہے،

حیثیت السند:

1:قال العلام الهيثمى رحمه الله: رواه الطبرانى وفيه على بن سعيد الرازى قال الدارقطنى : ليس بذا ك وعظمه غيره وبقية رجاله ثقات .

(مجمع الزوائد ج 4 ص 618 باب طلاق السنة وكيفية الطلاق)،

قال ابن حجر رحمه الله: على بن سعيد بن بشير الرازى حافظ رحال جوال ....قال بن يونس ان يفهم ويحفظ ....وقال مسلم بن قاسم ..وان ثقة عالما بالحديث.

(لسان الميزان ج 4 ص 231 رقم الترجمہ 615)

دلیل نمبر 5:

قال الِامام الحافِظ علِى بن عمر الدارقطنِى نا ابو عبيد القاسم بن اسماعيل نا محمد بن عبد الملك بن زنجويه نا نعيم بن حماد عن بن المبارك عن محمد بن راشد نا سلمة بن ابى سلمة عن ابيه : انه ذكر عنده ان الطلاق الثلاث بمرة مكروه فقال طلق حفص بن عمرو بن المغيرة فاطمة بنت قيس بكلمة واحد ثلاثا فلم يبلغنا ان النبى صل الله عليه و سلم عاب ذلك عليه وطلق عبد الرحمن بن عوف امرء ته ثلاثا فلم يعب ذلك عليه احد

-

ترجمہ: حضرت سلمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ان کے پاس تین طلاق کے ایک کلمہ کے ساتھ دینے کا ذکر کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ حفص بن عمرو بن صغیرہ نے فاطمہ بنت قیس کو ایک لفظ سے تین طلاقیں دیں۔ تو ہمیں نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے اس پر کوئی تنقید کی ہو۔ اسی طرح عبدالرحمان بن عوف نے طلاق دی اور اس پر بھی کسی نے عیب نہیں لگایا۔

(سنن الدارقطنی ص 644 حدیث نمبر کتاب الطلاق والخلع والطلاق)

حیثیت السند: اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات۔

دلیل نمبر 6:

قال الِامام الحافِظ علِی بن عمر الدارقطنِی نا احمد بن محمد بن سعید نا یحی بن سماعیل الجریری نا حسین بن اسماعیل الجریری نا یونس بن بیر نا عمرو بن شمر عن عمران بن مسلم وبراهیم بن عبد العلی عن سوید بن غفلة قال : لما مات علی رضی الله عنه جائت عائشة بنت خلیفة الخثعمیة امرء ة الحسن بن علی فقالت له لتهنكِ الامارة فقال لها تهنِینی بموت امیر المؤمنین انطلقی فانت طالق فتقنعت بثوبها وقالت اللهم انی لم ارد الا خیرا فبعث الیها بمتعة عشرة آلاف وبقی صداقها فلما وضع بین یدیها بكت وقالت متاع قلیل من حبیب مفار ق فاخبره الرسول فبكی وقال لولا نی ابنت الطلاق لها لراجعتها ولكنی سمعت رسول الله صل الله علیه و سلم یقول ایما رجل طلق امرء ته ثلاثا عند كل طهر تطلیقة و عند راس كل شهر تطلیقة او طلقها ثلاثا جمیعا لم تحل حتی تنكح زوجا غیره۔

(سنن الدارقطنی ص651، 652حدیث نمبر 3927كتاب الطلاق و الخلع

و الطلاق)

ترجمہ: سوید بن غفلۃؒ سے مروی ہے کہ جب حضرت علیؓ فوت ہوئے تو عائشۃ بنت خلیفۃ خثعمیہ آئیں جو حسن بن علی کی بیوی تھیں کہنے لگی حضرت حسنؓ کو کہ آپ کو امارۃ کی خوشخبری ہو تو حضرت حسنؓ نے اس سے کہا کہ تو مجھے امیر المؤمنین کی موت کی مبارک بادی دے رہی ہے جا تجھے طلاق ہے۔ تو اس نے اپنے آپکو ڈھانپ لیا اور کہا کہ اے اللہ میں نے تو صرف خیر کا ارادہ کیا پس حضرت حسنؓ نے ان کی طرف دس ہزار کا متعہ بھیجا اور باقی مہر دیا جب انہوں نے اس کے سامنے رکھا تو وہ رونے لگ گئی اور کہنے لگی کہ تھوڑا سا سامان ہے جدا ہونے والے دوست کی طرف سے تو قاصد نے آکر حضرت حسنؓ کو خبر دی تو وہ رو پڑے اور فرمایا کہ اگر میں انکو طلاق بائن نہ دے چکا ہوتا تو میں اس سے رجوع کرتا لیکن میں نے سنا آپ ﷺ سے فرمارہے تھے جو آدمی اپنی بیوی کو تین طلاق دے ہر طہر کے وقت ایک طلاق یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک طلاق یا اس کو تین طلاق ایک ساتھ دیئے تو وہ حلال نہیں اس کیلئے یہاں تک کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔

حیثیت السند:

قال الحافظ ابن رجب الحنبلی: اسنادہ صحیح۔ (الاشفاق للکوثری ص 38)

وقال الھیثمی: وفی رجالہ ضعف وقد وثقوا۔ (مجمع الزوائد ج 4 ص 624 باب متع الطلاق)

لہذا اس کی سند حسن درجہ سے کم نہیں۔

دلیل نمبر 7:

قال الامام مسلم رحمه الله: وحدثنى زهير بن حرب حدثنا اسماعيل عن ايوب عن نافع *ان بن عمر طلق امرته وهى حائض فسئل عمر النبى صلى الله عليه وسلم فامره ان يرجعها ثم يمهلها حتى تحيض حيضة اخر ثم يمهلها حتى تطهر ثم يطلقها قبل ان يمسها فتلك العد ةالتى امر الله ان يطلق لها النساء قال فان بن عمر اذا سئل عن الرجل يطلق امرته وهى

حائض يقول اما انت طلقتها واحدة او اثنتين ان رسول الله صل الله عليه وسلما مره ان يرجعها ثم يمهلها حتى تحيض حيضة اخرى ثم يمهلها حتى تطهر ثم يطلقها قبل ان يمسها واما انت طلقتها ثلاثا فقد عصيت ربك فيما امرك به من طلاق امرت وبانت منك.

(صحیح مسلم ج1 ص 476 باب تحریم طلاق الحائض)

(ترجمہ) حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے انکواس سے رجوع کرنے کا حکم دیا پھر اسکو مہلت دے یہاں تک کہ اسکو دوسرا حیض آجائے پھر اسکو مہلت دے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے پھر اسکو ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے اسکو طلاق دے پس یہی وہ عدت ہے جسکا اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسی کے ساتھ عورتوں کو طلاق دی جائے راوی فرماتے ہیں حضرت ابن عمر سے جب ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جاتا جو اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے تو فرماتے کہ اگر تو نے اسے ایک یا دو طلاقیں دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے رجوع کرے پھر اسکو مہلت دے یہاں تک کہ اسے دوسرا حیض آئے پھر اسکو مہلت دے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسکو ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے طلاق دے اسکو اگر تو نے اسکو تین طلاقیں دیں تو تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اس چیز میں جسکا اللہ نے آپکو اپنی بیوی کو طلاق دینے میں حکم دیا ہے اور وہ عورت تجھ سے جدا ہوجائے گی۔

دلیل نمبر 8:

قال الِامام الحافِظ المحدِث عبدالرزاقِ اخبرنا يحى بن العلاءِ عن عبيدِ اللهِ بنِ الوليدِ العجلِي عن اِبراهِيم عن داود عن عباد (بن) الصامِتِ قال: طلق جدِى اِمراة له الف تطلِيقة فانطلق ابِى اِلى رسولِ اللهِ صلى الله عليه و سلم فذكرله فقال النبِى صلى الله عليه و سلم اما اِتقى الله جدك اما

ثلاث فله واما تِسع مِائة وسبع وتِسعون فعدوان وظلم اِن شاء الله تعالی عذبه واِن شاء غفرله۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۰۵، حدیث نمبر ۱۱۳۸۳ باب المطلق ثلاثا)

(ترجمہ) عبادۃ بن صامتؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں تو میرے والد نبی ﷺ کے پاس آئے اور ان کے سامنے اس بات کو ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کا دادا اللہ سے نہیں ڈرا بہر حال تین طلاقیں تو اس کے لئے ہیں نوسو ستانوے (۹۹۷) زیادتی اور ظلم ہے اگر اللہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو اس کو بخش دے۔

تحقیق السند: اس کی سند میں ایک راوی عبیداللہ بن الولید ہے جو کہ ضعیف ہے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وفیہ عبیداللہ بن الولید وھوضعیف (مجمع الزوائد ج 1 ص 273) اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یکتب حدیثہ للمعرفۃ. (میزان الاعتدال ج 3 ص 17 رقم الترجمہ 5405) لہذا ہم یہ روایت محض تقویت کے لیے پیش کررہے ہیں۔

موقوف احادیث

دلیل نمبر 1:

قال الاِمام الحافِظ المحدِث ابن اِبی شیبة حدثنا ابوبکرقال ناعلِی بن مسهِر عن شقِیقِ بنِ اِبی عبدِاللهِ عن انس قال کان عمر رضی الله عنه اِذااتی بِرجل قد طلق اِمراته ثلاثا فِی مجلِس اوجعه ضربا وفرق بینهما۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱ باب من کرہ ان یطلق الرجل امراتہ ثلاثا)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسے آدمی کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتی ایک مجلس میں تو حضرت عمرؓ اس کو تکلیف دیتے مارنے کے ساتھ اور ان دونوں کے درمیان جدائی کردیتے۔

حیثیت السند: اسنادہ حسن ورواتہ ثقات۔

دلیل نمبر2:

روی الامام الحا فظ المحد ث ابو بکر عبدالله بن محمد ابن ابی شیبه (م:۲۳۵ھ)قال نا وکیع والفضل بن دکین عن جعفر بن البرقا ن عن معاو یه ابن ابی یحی قال جا ء رجل الی عثمان فقال انی طلقت امرا تی مائة قال ثلاث تحرمها علیك وسبعة وتسعون عدوان ۔اسناده صحیح و رجاله ثقات۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج۴ص۱۳باب ماجا یطلق امراتہ مأ ۃ اوالف فی قول واحد)

(مثلہ فی مصنف عبدالرزاق ج٦ص۳۰٦باب المطلق ثلاثا،رقم الحدیث۱۱۳۸۵)

(ترجمہ) حضرت معاویہ بن ابی یحیٰؒ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضرت عثمانؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کوسو(۱۰۰) طلاقیں دی ہیں فرمایا کہ تین طلاقوں نے تو اس کو تیرے اوپر حرام کردیا اور ستانوے(۹۷) زیادتی ہے۔

(حیثیت السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

دلیل نمبر3:

قال الِامام الحافِظ المحدِث عبدالرزاقِ عن اِبراهِیم بنِ محمد عن شرِیكِ بنِ ابِی نمرقال جاء رجل اِلی علِی رضی الله عنه فقال اِنِی طلقت اِمراتِی عدد العرفجِ۔ قال تاخذ مِن العرفجِ ثلاثا وتدع سائِره۔

(مصنف عبدالرزاق ج٦ص۳۰٦ حدیث نمبر۱۱۳۸۵باب المطلق ثلاثا،حیثیت السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

ومثلہ فی مصنف ابن ابی شیبہ ج4 ص 12فی الرجل یطلق امراتہ مأ ۃ اوالف فی قول واحد،

حیثیت السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

شریک ابن نمیرؒ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو عرفج کی تعداد میں طلاق دی ہیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تو عرفج سے تین کو لے لے اور باقی ساروں کو چھوڑ دو۔

دلیل نمبر 4:

عبد الرزاق عن معمر عن الاعمش عن ابراهيم عن علقمة قال جاء رجل الى ا بن مسعود فقالا نى طلقت امرتى تسع وتسعين وانى سالت فقيل لى قد بانت منى فقال بن مسعود لقد احبوا ان يفرقوا بين وبينها قال فما تقول رحمك الله -فظن انه سيرخص له -فقال ثلاث تبينها منك وسائرها عدوان.

(مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۰۷ رقم ۱۱۳۸۷ باب المطلق ثلاثا، سنن سعید بن منصور ج۱ ص ۲۶۱ کتاب الطلاق باب التعدی فی الطلاق رقم ۱۰۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ ص۱۲ کتاب الطلاق باب فی الرجل یطلق امراتہ ماء رقم 1)

(ترجمہ) حضرت علقمہؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ننا وے (۹۹) طلاقیں دی ہیں اور میں نے اس بارے میں پوچھا تو مجھ سے کہا گیا کہ وہ مجھ سے بائینہ (جدا) ہوگئی تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ تیرے اور اس عورت کے درمیان جدائی کریں تو اس آدمی نے کہا کہ آپ کیا کہتے ہیں اللہ آپ پر رحم کرے، پس اس نے یہ گمان کیا کہ ابن مسعودؓ اس کو رخصت دے دیں گے تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تین طلاقوں سے وہ بائینہ (جدا) ہوگئی اور باقی ساری (طلاقیں) زیادتی ہیں۔

(حیثیت السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

دلیل نمبر 5:

عبد الرزاق عن معمر عن الزهرى عن سالم عن ابن عمر قال من طلق

امرته ثلاثا طلقت وعص ربه [هذا على شرط الشيخين

(مصنف عبدالرزاق ج٦ ص٣٠٧ رقم ١١٣٨٨ باب المطلق ثلاثا)

(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تو اسے طلاق ہو جائے گی اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

(فی روایة) حدثنا اسباط بن محمد عن ا شعث عن نافِع قال قال ابن عمر : من طلق امرته ثلاثافقد عصى ربه وبانت مِنه امرته

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ ص۱۱ رقم ۵ باب من کرہ ان یطلق الرجل امراتہ ثلاثا فی مقعد واحد)

(ایک روایت میں ہے) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تو اسے طلاق ہو جائے گی اور اس آدمی نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے جدا ہو گئی۔

دلیل نمبر 6:

حدثنا سعيد [بن منصور بن شعبة الخراسانی المکی رحمه الله]نا ابو عوانة عن شقيق عن انس بن مالك فيمن طلق امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها قال لا تحل له حتى تنكح غيره و فى رواية هى ثلاث،

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ تین طلاقیں ہونگی۔

(سنن سعید بن منصور ج۱ ص۲۶۴ رقم الحدیث ۱۰۷۴، ۱۰۷۳، کتاب الطلاق باب التعدی فی الطلاق، مصنف عبدالرزاق ج٦ ص۲۶۱، ۲۶۰، رقم الحدیث ۱۱۱۰۹ باب طلاق البکر، مصنف

ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱ رقم الحدیث ۳ باب من کرہ ان یطلق الرجل امرا ثلاثا)

دلیل نمبر 7:

حدثنا سهل بن يوسف عن حميد عن واقِعِ بنِ سحبان قال : سئِل عِمران بن حصين عن رجل طلق امرته ثلاثا فِى مجلِس ؟ قال :ا ثِم بِربِه وحرِمت عليهِ امرته.

(واقع بن سحبان سے مروی ہے کہ عمران ابن حصینؓ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں، تو انھوں نے فرمایا اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی عورت اس پر حرام کردی گئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰ رقم الحدیث ۱ سنن الکبریٰ بیھقی ج ۷ ص ۳۳۲ باب الاختیار للزوج ان لا یطلق الا واحدۃ)

دلیل نمبر 8:

عبد الرزاق عن مالك عن يحى بن سعيد عن بكير عن نعمان بن ابى عياش قال سال رجل عطاء بن يسار عن الرجل يطلق البكر ثلاثا فقال انما طلاق البكر واحدة فقال له عبد الله بن عمرو بن العاص ا نت قاص الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجا غيره

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) نعمان بن ابی عیاش سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے عطاء بن یسارؒ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جو باکرہ عورت کو تین طلاقیں دے تو انھوں نے فرمایا کہ باکرہ کی طلاق ایک ہے۔ تو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اس سے فرمایا کہ تم کم کرنے والے ہو (کاٹنے والے ہو) ایک سے وہ بائنہ (جدا) ہو جائے گی اور تیسری اس عورت کو حرام کردے گی، یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔

(مصنف عبدالرزاق ج٦ص٢٦٢ رقم الحدیث 11118 باب الطلاق البکر ،موطا امام مالک ص ۵۲۱ باب الطلاق البکر ،سنن سعید بن منصور ج اص۲٦۴ رقم الحدیث ۱۰۷۵ اباب التعدی فی الطلاق)

دلیل نمبر9:

مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير بن عبد الله بن الاشجع انه اخبره عن معاوية بن ابى عياش الانصارى انه كان جالسا مع عبد الله بن الزبير و عاصم بن عمرقال فجاء هما محمد بن اياس بن البكير فقال ان رجلا من اهل البادية طلق امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها فما ذا تريان فقال عبد الله بن الزبير ان حذا الامر ما بلغ لنا فيه قول فاذهب الى ابن عباس و ابى هريرةفانى تركتهما عند عائشة فسئلهما ثم ائتنا فذهب فسئلهما فقال ابن عباس لا بى هريرة افته يا اباهريرة فقد جآءَ تك معضلة فقال ابو هريرة الواحده تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاغيره وقال ابن عباس مثل ذلك

(اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین)

(ترجمہ) معاویہ بن ابی عیّاش الانصاری سے مروی ہے کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ اور عاصم بن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے پاس محمد بن ایاسبن البکیر آیا اور کہا کہ دیہاتیوں میں سے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں اس کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے،تو آپ دونوں حضرات اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں تو عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ اس معاملے کے بارے میں ہم تک کوئی قول نہیں پہنچا ہے تم ابن عباسؓ اور ابوھریرۃؓ کے پاس جاؤ پس میں ان دونوں کو حضرت عائشہؓ کے پاس چھوڑ آیا پس انہوں نے سوال کیا اور ہمارے پاس آئے وہ آدمی چلا گیا اور ان دونوں سے پوچھا تو ابن عباسؓ نے حضرت ابوھریرۃؓ سے فرمایا کہ اے

ابوھریرۃ اس شخص کوفتویٰ دو پس آپ کے پاس مشکل معاملہ آیا ہے تو حضرت ابوھریرۃؓ نے فرمایا کہ ایک طلاق اس کو جدا کردے گی اور تین طلاقیں حرام کردیں گی۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور ابن عباسؓ نے بھی اسی طرح فرمایا۔

(موطا امام مالک ص۵۲۱ باب طلاق البکر ، وموطا امام محمد ص۲۶۳ باب الرجل یطلق امراتہ ثلاثا قبل ان یدخل بھا، مصنف ابن عبدالرزاق ج۶ ص۲۶۲ رقم الحدیث ۱۱۱۱۵ باب الطلاق البکر)

دلیل نمبر 10:

حدثنا وِکیع والفضل بن دکین عن جعفرِ بنِ برقان عن معاوِیۃ بنِ ابِی تِحی قال : جاء رجل الی عثمان فقال : اِنِی طلقت امرتِی مِئۃ قال : ثلاث یحرِمنھا علیك وسبعۃ وتِسعون عدوان .

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) معاویہ بن ابی تحیٰ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاقیں دی ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ تین طلاقوں نے تو اسکو تیرے اوپر حرام کیا اور ستانوے (۹۷) ذیادتی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ ص۱۳ رقم الحدیث ۹ باب الرجل یطلق امراتہ ماۂ ۃ او الفاً فی قول واحد، سنن کبری بیہقی ج۷ ص۳۳۶ باب ماجآء فی امضاء الطلاق الثلاث الخ)

دلیل نمبر 11:

عبد الرزاق عن بی سلیمان عن الحسن بن صالح عن مطرف عن الحکم ان علیا وبن مسعود وزید بن ثابت قالوا ذا طلق البکر ثلاثا فجمعھا لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ فان فرقھا بانت باالاولی ولم تکن الاخریین شیئا

(اسنادہ صحیح علی الشرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت حکم سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا ہے کہ جب باکرہ لڑکی کو تین طلاقیں دی جائیں، اور خاوند اانکو جمع کرے (یعنی اکھٹی دے) تو وہ عورت قاس خاوند کے لئے حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اگر الگ دے تو پہلی طلاق سے وہ بائنہ ہوجائے گی۔ اور دوسری دوطلاقوں سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔

(مصنف عبدالرزاق ج٦ ص٣٣٤ رقم الحدیث ١١١٢٧ باب طلاق البکر، سنن سعید بن منصور ج١ص ٢٦٦ باب التعدی فی الطلاق رقم الحدیث ١٠٨٠، المحلی بالآثار لابن حزم ج٩ ص٤٠٨-٤٠٧ کتاب الطلاق)

دلیل نمبر 12:

حدثنا ابو بکر قال نا ابو اسامة قال نا عبید الله بن عمر عن نافع عن ابن عمرو عن محمد بن ایاس بن بکیر عن ابی هریرة و ابن عباس و عا ئشة رضی الله عنهم فی الرجل یطلق امرا ته قبل ان ید خل بها قالوا لا تحل له حتی تنکح زوجاغیر ہ .

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) محمد بن ایاس بن بکیرؒ سے مروی ہے وہ نقل کرتے ہیں ابوھریرۃؓ، ابن عباسؓ اور عائشہؓ اس آدمی کے بارے میں جو اپنی بیوی کو طلاق دے اس کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے تو یہ حضرات فرماتے ہیں کہ وہ عورت اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج٤ص ١٩ رقم الحدیث ٩ باب فی الرجل یتزوج المراۃ ثم یطلقھا ج٤ ص٦٠ رقم باب ما قالوا فی الرجل یقول لامراتہ انت طالق واحد کالف الخ)

<u>احادیث مقطوعہ</u>

دلیل نمبر 1:

عن ابرا هیم فی الرجل یقول لامراته انت طالق ثلاث قبل ان یدخل بها قال ان اخرجھن جمیعا لم تحل له فاذا اخرجھن تتری بانت بالاولی والثنتان لیستا بشئی ۔

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم سے مروی ہے اس آدمی کے بارے میں کہ جو اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں۔اس کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے،تو وہ فرماتے ہیں کہ اگر اکھٹی تین طلاقیں منہ سے نکالے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوگی اور اگر علیحدہ علیحدہ نکالے تو پہلی سے عورت بائنہ ہوجائے گی اور باقی دو کچھ بھی نہیں۔

(سنن سعید بن منصور ج۱ ص۲۶۶ رقم ۱۰۸۱ باب التعدی فی الطلاق،مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۲۶۱ رقم الحدیث ۱۱۱۱۲،۱۱۱۱۳)

دلیل نمبر 2:

عن ابن المسیب اذا طلق الرجل البکر ثلاثا فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابن مسیّب سے مروی ہے کہ جب آدمی باکرہ کو تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔

(مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۲۶۱ رقم ۱۱۱۱۰۔الحدیث باب طلاق البکر)

دلیل نمبر 3:

عن الزھری فی الرجل طلق امراته ثلاثا جمیعا قال ان من فعل فقد

عصی وبانت منه امراته

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت زہری سے مروی ہے اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے۔فرماتے ہیں کہ جو بھی ایسا کرے تو اسنے گناہ کیا (نافرمانی کی) اوراس کی عورت اس سے جدا ہوجائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ص۱۱باب منکرہ ان یطلق الرجل امراتہ ثلاث)

دلیل نمبر4:

عن الحسن انه قال فی من طلق امراته ثلا ثا قبل ان ید خل بها قال رغم انفه بلغ حده حتی تنکح زوجا غیره

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت حسن سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی اس کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کا ناک خاک آلود ہوجائے وہ انتہا کو پہنچ گیا، یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔

(سنن سعید بن منصور ج۱ص۲۶۷رقم الحدیث ۱۰۸۸باب التعدی فی الطلاق)

دلیل نمبر5:

عن الشعبی قال فی الرجل یطلق البکر ثلا ثا جمیعا فلم ید خل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره فا ن (قال) انت طا لق ، انت طالق، فقد بانت بالاولی لیخطبها

(اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت شعبی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں اس آدمی کے بارے میں جو باکرہ عورت کو اکھٹی تین طلاقیں دے اس کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے، وہ فرماتے ہیں وہ عورت اس

کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے، پس اگر شوہر کہے کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تو پہلی سے وہ بائنہ ہو جائے گی جس کے ذریعے اس نے خطاب کیا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۲۶۴ باب طلاق البکر)

اجماع امت

(1): قد قال الِامام ابوبکرِ ابن المنذِرِ النِیشابورِی: واجمعوا علی ان الرجل اِذا طلق اِمراته ثلا ثا

انهالاتحِل له اِلابعد زوج علی ماجاء بِه حدِیث النبِی صلی الله علیه و سلم ثم قال : اواجمعواعلی انه اِن قال لها انتِ طالِق ثلاثا اِلاثلاثا انهاطلِق ثلا ثا۔

(کتاب الاجماع لابن المنذر ص ۹۲)

(ترجمہ) امام ابوبکر نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوگی مگر دوسرے شوہر کے بعد، اس بات کے مطابق کہ جس پر حدیث نبوی ﷺ آچکی ہے پھر فرماتے ہیں کہ یا اجماع ہوا ہے اس بات پر کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے تجھے تین طلاقیں ہیں سوائے تین کے تو بے شک اس کو بھی طلاق ہو جائے گی۔

(2): قال الِامام الحافِظ المحدِث الفقِیه ابوجعفر احمد بن محمدِ الطحاوِی :من طلق اِمراته ثلاثا فاوقع کلا فِی وقتِ الطلاقِ لزِمه مِن ذلِك فخاطب عمربِذلِك الناس جمِیعا وفِیهِم اصحاب رسولِ اللهِ صلی الله علیه و سلم ورضِی الله عنهم الذِین قدعلِمواماتقدم مِن ذلِك فِی زمنِ رسولِ اللهِ صلی الله علیه و سلم فلم ینکِره علیهِ مِنهم منکِرولم یدفعه دافِع فکان ذلِك اکبر الحجةِ فِی نسخ ماتقدم مِن ذلِك لِانه لماکان فِعل اصحابِ رسولِ اللهِ

صلى الله عليه و سلم جمِيعا فِعلايجِب بِهِ الحجة كان كذلِك ايضا اِجماعهم على القولِ اِجماعا يجِب بِهِ الحجة۔

(سنن الطحاوی باب الرجل یطلق امراتہ ثلاثا معا، ونحوہ فی مسلم ج ا ص ۴۷۷)

(ترجمہ) امام ابوجعفر طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی اور اس نے سب کو طلاق کے وقت واقع کیا ہے تو یہ لازم ہو جائے گی (یعنی تین طلاقیں) حضرت عمرؓ نے اس بات کا تمام لوگوں سے خطاب کیا اور ان لوگوں میں اصحاب پیغمبر ﷺ بھی تھے وہ جو اس چیز کو جان چکے تھے جو اس بارے میں پہلے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہو چکا تھا تو ان میں سے حضرت عمرؓ پر کسی نے بھی انکار نہیں کیا اور نہ کسی روکنے والے نے روکا تو گویا یہ بڑی حجت ہے اس معاملے کے منسوخ ہونے کے بارے میں جو پہلے ہوتا تھا اس لئے کہ جب سب صحابہؓ کا فعل ایسا تھا کہ جس کی وجہ سے حجت ضروری ہوتی ہو تو اسی طرح انکا کسی قول کے اوپر اجماع کرنا بھی ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے حجت، واجب ضروری ہو۔

اعتراض:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس فیصلے پر نادم تھے، معلوم ہوا کہ ان کا یہ فیصلہ صحیح نہ تھا۔ چنانچہ محدث ابوبکر اسماعیلی مسند عمر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

قال الحافظ الاسماعيلى فى مسند عمر : أخبرنا أبو يعلىٰ حدثنا صالح بن مالك حدثنا خالد بن يزيد بن بى مالك عن ا بيه قال قال عمر بن الخطاب رضى الله عنه : ما ندمت عل شى ندامتى على ثلاث ان لا اكون حرمت الطلاق اغاثةاللهفان من مصائد الشيطان لابى عبد الله محمد بن ابى بكرا يوب الزرعى (ج 1ص 336)

(ترجمہ) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں کسی چیز پر نادم نہیں ہوا جتنا کہ میں تین چیزوں پر ہوا: ان میں ایک یہ ہے کہ کاش میں طلاق کو حرام نہ کرتا۔

جواب 1: اس روایت میں دوراوی سخت مجروح ہیں:

1: یزید بن عبدالرحمٰن الدمشقی: یہ لین الحدیث (حدیث کے بارے میں سست) اور مدلس ہے۔ ان لوگوں سے روایت کرتا ہے جن سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔ نیز یہ وہم کا شکار بھی تھا۔) کتاب المعرفۃ للفسوی ج 1 ص 354، میزان الاعتدال للذہبی ج 4 ص 401، المغنی فی الضعفا ج 2 ص 543، التقریب لابن حجر ج 2 ص 674)

2: خالد بن یزید: سخت مجروح، ضعیف، متروک الحدیث اور کذاب تھا۔) میزان الاعتدال للذہبی ج 1 ص 628، التہذیب لابن حجر ج 2 ص 78، 77، الضعفا والمتروکین لابن الجوزی ج 1 ص 25)

جواب 2: یزید بن عبدالرحمٰن الدمشقی 60ھ میں پیدا ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ 24ھ میں شہید ہوئے۔ یزید کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ لہذا روایت منقطع ہونے کی وجہ سے باطل اومردود ہے۔

جواب 3: پرلطف بات یہ ہے کہ یہ منقطع روایت لین الحدیث، مجروح، ضعیف، متروک الحدیث اور کذاب راویوں سے مروی ہونے کے ساتھ ساتھ مجمل بھی ہے، طلاق کی کسی قسم (ایک یا تین) کی تفصیل نہیں۔

3: قال الِامام الحافِظ المحدِث المفسِر القاضِی ثناء اللہِ العثمانِی فِی تفسِیرِ ھذِہِ الآیۃِ [الطلاق مرتنِ] اجمعواعلی انہ من قال لِامراتِہِ انتِ طالِق ثلاثا یقع ثلاث بِالِاجماعِ۔

(التفسیر المظہری ج۲ص۳۰۰)

(ترجمہ) امام قاضی ثناء اللہؒ (الطلاق مرتٰن) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہو چکا ہے اس بات پر کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو بالاجماع تین طلاقیں واقع ہونگی۔

حضرات فقہاء ام رحمہم اللہ تعالیٰ

امت مسلمہ کے جید فقہاء کرام خصوصا حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک بھی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

1: امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ (م ۱۵۰ھ)

امام محمد بن الحسن الشیبانی فرماتے ہیں کہ:

وبهذا نا خذ وهو قول ابى حنيفة والعا مة من فقهائنا لانه طلقها ثلا ثا جميعا فوقعن عليها جميعا معا۔

(ترجمہ) اور اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہ قول امام صاحبؒ اور تمام فقہاء کا قول ہے اس لئے کہ اس شخص نے تین طلاقیں اکھٹی دی ہے تو لھذا عورت پر یہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہونگی۔

(موطا امام محمد ص ۲۶۳، سنن الطحاوی ج ۲ ص ۳۴۔۳۵ شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸)

2: امام مالک بن انس المدنیؒ (م ۱۸۹ھ)

آپ فرماتے ہیں:

فا ن طلقها فى كل طهر تطليقة او طلقها ثلا ثا مجتمعات فى طهر لم يمس فيه ، فقد لزمه ۔

(التمہید لابن عبدالبرج ۶ ص ۱۵۸ المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۳ شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۴۷۸)

(ترجمہ) اگر مرد بیوی کو ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ایک طہر میں اکھٹی تین طلاقیں دے جس طہر میں اس نے عورت کو چھوا نہ ہو تو یہ طلاق لازم ہو جائے گی۔

3: امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (م ۲۰۴ھ)

آپ فرماتے ہیں:

والقرآن يدل والله اعلم على ان من طلق زوجة له دخل بِها اولم

یدخل بِهاثلاثالم تحِل له حتی تنکِح زوجا غیره۔

(کتاب الام للامام محمد بن ادریس الشافعیؒ ج۲ص۱۹۳۹)

(ترجمہ)اور قرآن دلالت کرتا ہے(اور اللہ زیادہ جانتا ہے)اس بات پر کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں چاہیے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو تو وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرے۔

4: امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ)

آپ کے صاحبزادے امام عبداللہ فرماتے ہیں:

قلت لابی رجل طلق ثلا ثا وھو ینوی وا حدۃ قال ھی ثلاث ۔

(مسائل احمد بروایت ابنہ ص۳۷۳ کتاب الصلوۃ ص۴۷ شرح مسلم ج۱ص۴۷۸)

(ترجمہ)میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقین دیتا ہے اور وہ نیت ایک طلاق کی کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ تین ہی ہونگی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ پوری امت مسلمہ تین طلاق کے تین ہونے پر متفق ہے۔ ماسوائے مرزائیوں، مسعودیوں اور رافضیوں کے۔ اللہ ہدایت نصیب فرمائیں۔ امین

اجماع امت اور جماعت المسلمین

ڈاکٹر مسعود صاحب اپنی خود ساختہ شریعت میں اجماع کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں

اجماع امت کا ماخذ سراسر بے بنیاد ہے

جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں صفحہ نمبر(659)

1: الاجماع

فِی اللغةِ یراد بِهِ تارة العزم یقال : أجمع فلان کذاأ و أجمع علی کذا اِذا عزم علیهِ وتارة یراد بِهِ الاتِفاق فیقال : أجمع القوم علی کذا أ یِ اتفقوا

علیهِ ، وعنِ الغزالِی أ نه مشترك لفظِی

(المستصفی للغزالی 173 /1 ط الامیریۃ بولاق)

(ترجمہ) لغت میں کبھی اس سے عزم مراد لیا جاتا ہے کہا جاتا ہے فلاں آدمی نے اس طرح عزم کیا یا اس آدمی کے کام کا عزم ہے یہ اسوقت بولا جاتا ہے کہ جب وہ اس کام پر عزم کرے (**اجمع فلان کذا**) اور کبھی اس سے اتفاق مراد لیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ قوم نے اس بات پر اتفاق کیا یعنی وہ اس بات پر متفق ہو گئے۔ اور امام غزالیؒ سے منقول ہے کہ یہ لفظی طور پر مشترک ہے۔

وقِیل اِن المعنیٰ الاصلِی له العزم والاتِفاق لازِم ضرورِی اِذا وقع مِن جماعةوالاِجماع فِی اصطِلاحِ الاصولِیین اِتِفاق جمِیعِ المجتهِدِین مِن ا مةِ محمد صلی الله علیهِ وسلم فِی عصر ما بعد عصرِهِ صلی الله علیهِ وسلم علی ا مر شرعِی والمراد بِالامرِ الشرعِي : ما لا یدرك لولا خِطاب الشارِعِ سواء أکان قولا أم فِعلاأ مِ اعتِقادا أم تقرِیرا

(معجم لغۃ الفقہاء)

(ترجمہ) اور کہا گیا ہے کہ اجماع کا معنیٰ اصلی عزم کا ہے اور اتفاق لازمی اور ضروری ہے جب یہ جماعت کی طرف سے صادر ہو اور اصولین کی اصطلاح میں اجماع کہا جاتا ہے کہ امت محمد یہ میں سے تمام مجتھدین کا حضور ﷺ کے زمانہ کے بعد کسی زمانہ میں کسی امر شرعی پر اتفاق کر لینا اور امر شرعی سے مراد یہ ہے کہ اس میں شارع کی طرف سے خطاب نہ ہو تو اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا چاہے وہ (امر شرعی) امر شرعی قولی ہو یا فعلی ہو یا اعتقادی ہو یا تقریری ہو۔

المؤلف محمد رواس قلعجی حامد صادق قنیبی

حجیۃ الاجماع: اجماع کا حجت ہونا

4 :الاجماع حجة قطعِیة علی الصحِیح وِانما یکون قطعِیا حیث اتفق

المعتبِرون على ا نه اِجماع لا حيث اختلفوا كما فِى الاِجماعِ السكوتِي وما ندر مخالِفه

(ترجمہ) اجماع حجت قطعی ہے صحیح قول کے مطابق اور اس حیثیت سے قطعی ہوتا ہے کہ جب معتبرین کا اتفاق ہو جائے اس بات پر کہ یہ اجماع ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ جب وہ اختلاف کرے جیسا کہ اجماع سکوتی میں ہے اور اس کے مخالف بہت کم ہیں۔

(ارشاد الفحول للشوکانی ص)

اِنکار الاجماع: اجماع کا انکار کرنا

7: قِيل : يكفر منكِر حكمِ الِاجماعِ القطعِي وفصل بعض الاصولِيين بين ماكان مِن ضرورِياتِ دِينِ الِاسلامِ وهو ما يعرِفه الخواص والعوام مِن غيرِ قبول لِلتشكِيكِ كوجوبِ الصلاةِ والصومِ وحرمةِ الزِنا والخمرِ فيكفر منِكره ، وبين ما سِوى ذلِكِ فلا يكفر منِكره ،كالِاجماعِ على بعضِ دقائِقِ عِلمِ المواريثِ التِي قد تخفى على العوامِ

(تیسیر التحریر لامیر بادشاہ 3/ 259 ط دار الفکر)

(ترجمہ) کہا گیا ہے کہ اجماع قطعی کے حکم کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا اور بعض اصولین نے تفصیل بیان کی ہے ان امور کے درمیان جو دین اسلام کی ضروریات میں سے ہیں اور انکو عوام اور خواص سب جانتے ہیں بغیر شک وشبہ میں پڑنے کے قبول کرنے کے بغیر جیسا کہ نماز، روزہ کا وجوب اور زنا، وشراب کی حرمت تو ان امور کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا اور ان امور کے درمیان (تفصیل کی ہے) جو اس کے علاوہ ہیں ان کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا جیسا کہ علم میراث کے بعض پیچیدہ مسائل پر اجماع ہے وہ مسائل کہ جو عوام پر مخفی ہوتے ہیں۔

وفرق فخر الِاسلامِ بين الِاجماعِ القطعِي مِن اِجماعِ الصحابةِ نصاكا ِجماعِهِم على قِتالِ مانِعِي الزكاةِ أ و مع سكوتِ بعضِهِم فيكفر منِكره وبين

اِجماعِ غیرِہم فیضلل رتبۃ الِاجماعِ بین الادِلۃِ :

(ترجمہ)اور فخر الاسلامؒ نے فرق بیان کیا ہے اجماع قطعی کے درمیان جو کہ صحابہ کے اجماع میں سے نص کے طور پر ہے جیسا کہ صحابہؓ کا مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کرنے پر اجماع کرنا یا اس میں سے بعض کا خاموش رہنا تو اس اجماع کا منکر کافر قرار دیا جائے گا (اور فرق کیا ہے) صحابہؓ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اجماع میں پس دلائل سے اجماع کے مرتبے کے لحاظ سے اس کو گمراہ قرار دیا جائے گا۔

1: بنی بعض الاصولِیین علی المسألۃِ السابِقۃِ تقدِیم الِاجماعِ علی غیرِہِ .قال الغزالِی : "یجب علی المجتہِدِ فِی کلِ مسألۃأ ن یرد نظرہ الی النفیِ الاصلِیِ قبل ورودِ الشرعِ ثم یبحث عنِ الادِلۃِ السمعِیۃِ ، فینظرا ول شیءٍ فِی الِاجماعِ فِان وجد فِی المسألۃِاِجماعا ، ترك النظر فِی الِکتابِ والسنۃِ ، فِانہما یقبلانِ النسخ ، والِاجماع لا یقبلہ .فالِاجماع علی خِلافِ ما فِی الِکتابِ والسنۃِ دلِیل قاطِع علی النسخ اِذ لا تجتمِع الامۃ علی الخطأ (1): وقد حرر ذلكِ ابن تیمِیۃ فقال : کل من عارض نصا بِاِجماع وادعی نسخہ مِن غیرِ نص یعارِض ذلكِ النص فِانہ مخطِیء فِی ذلكِ فِان النصوص لم ینسخ مِنہا شیءُ الا بِنص باق محفوظ لد الامِۃ (2): وفِی موضِع آخر قال "لا ریب ا نہ اِذا ثبت الِاجماع کان دلِیلا علی انہ منسوخ فاِن الامۃ لا تجتمِع علی ضلالۃ ولکِن لا یعرف اِجماع علی ترکِ نص اِلا وقد عرِف النص الناسِخ لہ ولِہذا کان اکثر من یدعِی نسخ النصوصِ بِما یدعِیہِ مِن الِاجماعِ اِذا حقق الامر علیہِ لم یکنِ الِاجماع الذِی ادعاہ صحِیحابل غایتہ ا نہ لم یعرِف فِیہِ نِزاعا (3): وفِی الِاجماعِ تفصِیل وخِلاف أوسع مِما ذکِرموطِنہ الملحق الاصولِی (شرح مسلم الثبوت 232 / 2،، ارشاد

الفحول ص 193)

(ترجمہ) بعض اصولیین نے سابقہ مسئلہ پر بناء کیا ہے اجماع کا غیر پر مقدم ہونے کا، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہر مسئلہ مجتہد پر واجب ہے لازم ہے کہ وہ شریعت کے حکم کے آنے سے پہلے اصل نفی کی طرف اپنی نظر لوٹائے پھر وہ بحث کرے ان دلائل کے ذریعے جو اسنے سنے ہیں یعنی دلائل منقولہ تو پس وہ پہلے اجماع میں دیکھے گا اگر مسئلہ میں اس نے اجماع کو پالیا تو وہ کتاب وسنت کو ترک کردے اس لئے کہ قرآن وسنت نسخ کو قبول کرتے ہیں اور اجماع نسخ کو قبول نہیں کرتا اجماع کا اس چیز کے خلاف ہونا جو قرآن وسنت میں ہے اس کے نسخ پر قطعی دلیل ہے اس لئے کہ امت خطاء پر جمع نہیں ہوسکتی اور تحقیق ابن تیمیہؒ نے اس کو تحریر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اجماع کے ذریعے نص کا معارض ہو اور نص کے نسخ کا دعویٰ کرے بغیر کسی دوسری نص کے جو اس نص کے معارض ہو پس بے شک یہ اس میں خطاء کرنے والا ہے اس لئے کہ نصوص میں سے کوئی چیز منسوخ نہیں ہوتی مگر ایسے نص کے ذریعے جو امت کے نزدیک باقی اور محفوظ ہو اور دوسری جگہ فرماتے ہیں اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب اجماع ثابت ہوجائے تو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ (نص) منسوخ ہے اس لئے کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی اور لیکن نص کے چھوڑ نے پر اجماع کو نہیں پہچانا جاتا مگر یہ کہ ایسے نص کو جان لیا جائے کہ جو اس (نص) کے لئے ناسخ ہو اور اسی وجہ سے اکثر وہ شخص جو نصوص کے نسخ کا دعویٰ کرتا ہے اس چیز میں سے جسکا وہ اجماع میں سے دعویٰ کرتا ہے جب معاملہ اس بات پر ثابت ہوجائے تو وہ اجماع جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں وہ کوئی جھگڑا نہ پائے اور اجماع میں تفصیل ہے اور اختلاف ہے اس سے زیادہ جو ذکر کیا گیا۔ فقہاء کرام اور ائمہ عظام کی عبارت اور تصریحات سے ثابت ہوا۔ کہ اجماع ایک حجت قطعی ہے۔ مگر مسعود احمد اس کا منکر ہے۔

تقلید اور جماعت المسلمین

1: التقلِید لغة : مصدر قلد أ ی جعل الشیء فِی عنقِ غیرِہِ مع الِاحاطةِ بِہِ

(روضۃ الناظر لابن قدامۃ 449 / 2ط،، الریاض متکبۃ المعارف 1404ھ)

(ترجمہ) تقلید لغت میں قلّد کا مصدر ہے یعنی کسی چیز کو دوسرے کے گلے میں ڈال دینا اس چیز کا اس کے گلے کا احاطہ کرنے کے ساتھ۔

التقلِید فِی الدِینِ وهو الاخذ فِیهِ بِقولِ الغیرِ مع عدمِ معرِفةِ دلِیلِها أَو هو العمل بِقولِ الغیرِ مِن غیرِ حجة

(روضۃ الناظر بتعلیق الشیخ عبدالقادر بن بدران 1404ھ 450 / 2 القاہرۃ المطبعۃ السلفیۃ،،
وارشاد الفحول للشوکانی ص 265 القاہرۃ مطبعۃ مصطفیٰ الحلبی 1356ھ)

(ترجمہ) تقلید دین میں یہ ہے کہ دین میں دلیل کے نہ جاننے کی وجہ سے دوسرے کے قول کو لینا یا بغیر دلیل کے کسی دوسرے کے قول پر عمل کرنا۔

تقلید المجتھد :

10: التقلِید قبول قولِ الغیرِ مِن غیرِ حجة کأَخذِ العامِیِ مِن المجتهِدِ فالرجوع اِلی قولِ النبِیِ صلی الله علیهِ وسلم لیس تقلِیدا والرجوع اِلی الأَجماعِ لیس تقلِیدا کذالكِ لان ذلِك رجوعِ الی ما هو الحجة فِی نفسِه

(شرح مسلم الثبوت 400 / 2 القاہرۃ مطبعۃ بولاق 322ھ)

(ترجمہ) تقلید کہتے ہیں کہ بغیر دلیل کے دوسرے کے قول کو قبول کرنا جیسا کہ عام آدمی کا مجتھد کے قول کو قبول کر لینا پس نبی ﷺ کے قول کی طرف رجوع کرنا یہ تقلید نہیں ہے اور اسی طرح اجماع کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہ اس چیز کی طرف رجوع ہے کہ جو اس شخص کے اپنے دل میں حجت ہے دلیل ہے

حکم التقلیدفی الفروع : فروعات میں تقلید کا حکم

جواز التقلِیدِ فِیها وهو رأی جمهورِ الاصولِیین قالوا : لان المجتهِد فِیها اِما مصِیب واِما مخطِیء مثاب غیر آثِم فجاز التقلِید فِیها بل وجب علی

العامِی ذلكِ لانه .مكلف بِالعملِ بِاحكامِ الشرِيعةِ وقد يكون فِی الادِلةِ عليها خفاء يحوجِ الی النظرِ والاجتِهادِ وتكلِيف العوامِ رتبة الاجتِهادِ يؤدِی اِلی انقِطاعِ الحرثِ والنسلِ ، وتعطِيلِ الحِرفِ والصنائِعِ فيؤدِی الی الخرابِ ولان الصحابة رضِی الله عنهم كان يفتِی بعضهم بعضا ويفتون غيرهم ولا يأمرونهم بِنيلِ درجةِ الاجتِهادِ وقدأ مر الله تعالی بِسؤالِ العلماِ فِی قوله تعالی : (فاسلوا هل الذِرِ ان كنتم لا تعلمون)

(روضۃ الناظر 2/451.452،،اعلام الموقعین 187.201 / 4 ،ارشادالفحول ص 266

(.

(ترجمہ)فروعات میں تقلید جائز ہےاور یہ جمہوراصولین کی رائے ہےوہ کہتے ہیں کہ مجتھد اس میں درستگی کو پہنچے نے والا ہے یا خطاء کرنے والا ہےلیکن (خطاء پر بھی)اس کوثواب ملے گا۔اور گناہ گارنہیں ہوگا تو لہٰذااس میں تقلید جائز ہے کہ عام آدمی پر یہ تقلید واجب ہےاس لئے کہ وہ احکام شرعیّہ پرعمل کرنے کا مکلّف ہےاور کبھی اس(عامی) پر دلائل میں ایسی خفاءبھی آجائے تو اس کوغوروفکراوراجتھادکی طرف محتاج کرےگی اورعوام کواجتھادکےمرتبےکامکلّف بنانا۔یہ نسل اورکھیتی کوختم کرنے کی طرف پہنچاتاہےاورکاروبار،پیشوں کےختم کرنے کی طرف لےکرجاتاہے پس یہ خرابی کی طرف جاتاہےاوراس لئے صحابہؓمیں سےبعض بعض کوفتویٰ دیتےتھےاوراپنے علاوہ اورلوگوں کوبھی فتویٰ دیتےتھےاوروہ لوگوں کواجتھادکےدرجہ پانےکاحکم نہیں کرتےتھےاور تحقیق اللہ نےعلماءسےسوال کرنےکاحکم دیاہےکہ اپنےسوال میں **فسألو اهل الذكر**--- کہ تم اہل علم سےسوال کرواگرتم نہیں جانتے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا۔کہ عام آدمی شریعت پرعمل کرنے کیلئےکسی مجتھدکی تقلید کریگا۔ اس کےبغیرشریعت پرعمل نہیں ہوگا۔

فقہ اور جماعت المسلمین

بانی سلسلہ جماعت المسلمین مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ فرقہ وارانہ فقہ کو حجت شرعیہ سمجھنا ہمارے نزدیک شرک ہے

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں صفحہ نمبر 540)

التعریف:

1: الفِقه فِی اللغةِ : العِلم بِالشيءِ والفهم له والفطِنة فِيهِ ، وغلب على عِلمِ الدِينِ لِشرفِهِ (1) قال تعالى : قالوا يا شعيب ما نفقه كثِيرا مِما تقول (2) وقِيل : هو عِبارة عن كلِ معلوم تيقنه العالِم عن فكِر (3) وفِی الاصطِلاحِ هو : العِلم بِالاحكامِ الشرعِيةِ العملِيةِ المكتسب مِنا أ دِلتِها التفصِيلِيةِ

(البحر المحیط للزرکشی (21 / 1)

(ترجمہ) لغت میں فقہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کا علم ہونا اور اس کو سمجھنا اور اس میں فطانت اور ذہانت کا ہونا اور یہ علم دین پر غالب ہے اس کی شرافت کی وجہ سے (1) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **قالوا یاشعیب ...** کہ لوگوں نے کہا اے شعیبؑ کہ جو آپ کہتے ہیں ہم اس میں سے اکثر باتوں کو نہیں سمجھتے (2) اور کہا گیا ہے کہ فقہ عبارت ہے ہر اس معلوم سے کہ جس پر عالم یقین کرے غور و فکر کر کے (3) اور اصطلاح میں کہتے ہیں کہ شریعت کے عملی احکام کا جاننا اس کے دلایل تفصیلیہ سے حاصل کیۓ جائیں۔

فقہ کی فضیلت

5: وردت آيات وأحادِيث فِی فضلِ الفِقهِ والحثِ على تحصِيلِهِ ومِن ذلِك قول اللهِ تعالى : (وما كان المؤمِنون لِينفِروا كافة فلولا نفر مِن كلِ فِرقه مِنهم طائِفة لِيتفقهوا فِی الدِينِ ولِينذِروا قومهم أذا رجعوا اِليهِم لعلهم

يحذرون) (1) **فقد جعل وِلاية اِلانذارِ والدعوة لِلفقهاِء وهِى وظِيفة لا لنبِيا ء عليهِم السلام وقال النبِى صلى الله عليهِ وسلم: من يرِدِ الله بِهِ خيرا يفقِهه فِى الدِينِ**

(اخرجه البخاری فتح الباری 164 / 1)

(ترجمہ) بہت ساری آیات اور احادیث میں فقہ کی فضیلت آئی ہے اور اس کے حاصل کرنے پر ابھارنے کے بارے میں وارد ہیں اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان **وماكان المؤمنون۔۔۔** پس اللہ تعالیٰ نے ڈرانے اور دعوت دینے کا مرتبہ اور ولایت فقھاء کیلئے قرار دیا اور یہ انبیاء علیہم السلام کا حکم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "**من يرِدِ الله بِهِ خيرا يفقِهه فِى الدِين**" کہ جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرے تو اسکو دین میں سمجھ عطاء فرما دیتے ہیں

عن زيد بن ثابت، قال: سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول: "نضر الله امرأ سمِع منا حديثا فحفِظه حتيِ يبلغه، فرب حامِلِ فقه الى من هو افقه منه، ورب حامِلِ فقه ليس بفقيه"

سنن بی داود

المؤلف: ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی)

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اس شخص کو ترو تازہ رکھے کہ جس نے ہم سے حدیث سنی اور اس کو یاد کیا یہاں تک اس کو دوسروں تک پہنچایا پس بہت سارے حاملین فقہ ان تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہہ ہوتا ہے۔ بہت سارے حاملین فقہ فقیہہ نہیں ہوتے

عن محمدِ بنِ حمزة بنِ عبدِ اللهِ بنِ سلام [ص:156] قال: قال رسول اللهِ صلى الله عليهِ وسلم: خصلتانِ لا تكونانِ فِى منافِق، حسن سمت، ولا فِقه فِى الدِينِ

الکتاب: الزہد والرقائق لابن المبارک (یلیہ مارواہ نعیم بن حماد فی نسختِہِ زائِد اعلی مارواہ المروزِی عنِ ابنِ المبارِک فی کِتابِ الزہدِ)

المؤلف: ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی ، الترکی ثم المروزی (المتوفی: 181ھ)

(ترجمہ) محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو کسی منافق میں نہیں ہوسکتیں: بہترین اچھے اخلاق، اور دین میں سمجھ۔

فقہہ کا موضوع:

6: موضوع عِلمِ الفِقہِ ھوا فعال المکلفِین مِن العِبادِ ، فیبحث فِیہِ عما یعرِض لافعالِھِم مِن حِل وحرم ، ووجوب وندب وکراھۃ (۳)

علم فقہہ کا موضوع مکلّف بندوں کے افعال ہیں پس اسمیں بحث کی جاتی ہے اس چیز سے کہ جو بندوں کے افعال کے ساتھ آتے ہیں۔ حلت اور حرمت میں سے اور واجب، مستحب اور مکروہ میں سے۔

فتوی اور جماعت المسلمین

التعرِیف:

۱۔ الفتوی لغۃ : اسم مصدر بِمعنی الِافتاِء ، والجمع : الفتاویٰ والفتاوِی ، یقال : افتیتہ فتوی وفتیا اِذا جبتہ عن مسألتِہِ ، والفتیا تبیِین المشکِلِ مِن الاحکامِ ، وتفاتوا اِلی فلان : تحاکموا اِلیہِ وارتفعوا اِلیہِ فِی الفتیا ، والتفاتِی : التخاصم ، ویقال : افتیت فلانا رؤیا رآھا اِذا عبرتھا لہ (1) ومِنہ قولہ تعال حاِکیا : }یا یھا الملأ ا فتونِی فِی رؤیای.

ترجمہ: فتوی لغت میں اسم مصدر ہے۔ افتاء کے معنی میں ہے۔ اور اسکی جمع فتاوی اور فتاوِی ہے کہا جاتا ہے کہ میں نے اسکو فتوی دیا، یہ اسوقت کہا جاتا ہے جب تو اسے اس کے مسئلہ کے بارے میں جواب دے۔ اور فتیا کہتے ہیں کہ مشکل احکام کو واضح کرنا، بیان کرنا، اور کہا جاتا ہے ”تفاتوا الی

فلان''یعنی فلاں کے پاس لوگ فیصلہ لے کر گئے اور اسکی طرف فتوی کو اٹھایا، اور تفاتی جھگڑنے کو کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے''افتیت'' کہ میں نے فلاں کو اس کے جواب کے بارے میں بتایا جو اس نے دیکھا، یہ اسوقت کہا جائیگا کہ جب تو اسکو خواب کی تعبیر بتادے، اور اسی میں اللہ جل مجدہ کا قول ہے۔ حکایت نقل کرتے ہیں، **یاایھاالملأ افتونی**.... کہ اے سردار مجھے میرے خواب کے بارے میں تعبیر بتادو۔

والاستِفتاء لغة : طلب الجوابِ عن الامرِ المشكِلِ ، ومِنه قوله تعالى : } ولا تستفتِ فِيهِم منهم احدا (3) {وقد يكون بِمعنى مجردِ سؤال ، ومِنه قوله تعالى : [فاستفتِهِم اهم اشد خلقا ام من خلقنا] (4) {، قال المفسِرون : اي اسألهم (5)

(1) لسان العرب، والقاموس المحیط (2) سور یوسف آیت ۴۳، (3) سورالھف آیت ۲۲ (۴) سورۃ الصافات آیے ۱۱۔ (۵) تفسیر القرطبی 68 / 15، وتفسیر ابن کثیر 3 / 4 ط عیسی الحلبی

والفتوى فِي الاصطِلاحِ: تبيين الحكمِ الشرعِيِ عن دلِيل لِمن سأل عنه (1) وهذا يشمل السؤال فِي الوقائِعِ وغيرِها .

اور فتوی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ حکم شرعی کو دلیل سے بیان کرنا واضح کرنا، اس شخص کیلئے جو اس کے بارے میں سوال کرے، اور یہ حادثات وواقعات کے بارے میں سوال کرنے کو شامل ہے۔

والمفتِي لغة : اسم فاعِلِ افتى ، فمن افتى مرة فهو مفت ، ولكنه يحمل فِي العرفِ الشرعِيِ بِمعنى ا خص مِن ذلِك ، قال الصيرفِي : هذا الاسم موضوع لِمن قام لِلناسِ بامرِ دِينِهِم ، وعلِم جمل عمومِ القرآنِ وخصوصِهِ ، وناسِخه ومنسوخه ، وكذلِك السنن والاستِنباط ، ولم يوضع لِمن علِم مسألة وادرك حقِيقتها ، فمن بلغ هذِهِ المرتبة سموه بِهذا الاسمِ ، ومنِ

استحقه ا فتی فِیما استفتِی فِیهِ (2)۔

ترجمہ: مفتی لغت میں کہتے ہیں کہ افتی کا اسم فاعل ہے پس جس نے ایک دفعہ فتوی دیا وہ مفتی ہے لیکن عرف شرع میں اسکو اس معنی پر محمول کیا جاتا ہے جو اس سے خاص ہے امام صیرفیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اسم اس شخص کیلئے وضع کیا گیا ہے جو لوگوں کیلئے ان کے دینی امور میں قائم ہو (انکی رہنمائی کرے) اور وہ قرآن کے عام وخاص احکام کو جانتا ہو اور قرآن کے ناسخ ومنسوخ کو بھی اور اس طرح وہ سنن اور استنباط اور اجتہاد کو بھی جانتا ہو اور یہ نام اس شخص کیلئے وضع نہیں کیا گیا کہ جو ایک مسئلہ کو جان لے اور اس مسئلہ کی حقیقت کو پالے، پس جو اس مرتبہ تک پہنچ گیا تو اسکا یہ نام رکھ دیا جائیگا اور جو اس نام کا مستحق ہوا تو وہ فتوی دے ان مسائل کے بارے میں کہ جن کے بارے میں اس سے پوچھا جائے۔

وقال الزركشی : المفتِی من كان عالِما بِجمِيعِ الاحكامِ الشرعِي بِالقوةِ القرِيبية ِ مِن الفِعلِ ، وهذا ِان قلنا بِعدمِ تجزؤِ الاجتِهادِ (3)

زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ مفتی وہ ہے جو تمام احکام شرعیہ کو جاننے والا ہو، فعل کے قریبی قوت کے ساتھ (بھی جانتا ہو) اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم اجتہاد کے حصے نہ کرنے کے قائل ہیں۔

الالفاظ ذات الاصل: صلہ والے الفاظ۔

<u>فیصلہ۔</u>

2۔ القضاء: هو فصل القاضِی بين الخصومِ ، ويقال له ايضا :الحكم ، والحاكِم : القاضِی .

قضاء کہتے ہیں کہ قاضی کا جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرنا۔ اور نیز قاضی کو حکم اور حاکم بھی کہا جاتا ہے۔

(1) شرح المنتہی 456 / 3 مطبعہ انصار السنۃ بالقاہرۃ، وصفۃ الفتوی والمستفتی لابن حمدان ص4

(۲) البحر المحیط (3) . 305/6 البحر المحیط 306 / 6

فتوی کا مرتبہ۔

6۔ تتبين منزِلة الفتوى فِى الشرِيعةِ مِن عِدِةا وجه ، مِنها :

(ا) ان الله تعالى ا فتى عِباده ، وقال [ويستفتون فِى النِساءِ قلِ الله يفتِيكم فِيهِن] {(۲) ، وقال : [يستفتونك قلِ الله يفتِيكم فِى الكلالةِ](۳)

ب -ان النبِى صلى الله عليهِ وسلم كان يتولى هذا المنصِب فِى حياتِهِ ، وكان ذلكِ مِن مقتضى رِسالتِهِ ، وقدكلفه الله تعالى بِذلكِ حيث قال : [وانزلناالِيك الذكر لِتبين لِلناسِ ما نزل الِيهِم ولعلهم يتفكرون] . (4) {

فالمفتِى خلِيفة النبِى صلى الله عليهِ وسلم فِى اداءِ وظِيفةِ البيانِ ، وقد تولى هذِهِ الخِلافة بعد النبِى صلى الله عليهِ وسلم اصحابه الكِرام ، ثم اهل العِلمِ بعدهم

(1)الموافقات(2) . 313 / 4 سوۃ رالنساء۱۲۷۔(۳)سوراۃ لنساء۱۷۶۔(۴)سورالنحل۴۴

شریعت میں فتوی کا مرتبہ چندوجوہات سے واضح ہوتا ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں(ا) **بیشک اللہ** تعالی نے اپنے بندوں کوفتوی دیا ہےاور فرمایا یستفتونک.....کہ یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتوی دیتا ہے اورا سی طرح دوسری جگہ فرمایا یستفتونک.....کہ یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے۔

(ب) **بیشک** رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں اس منصب کی نگرانی کرتے تھے اور یہ آپ ﷺ کے رسالت کے تقاضوں میں سے تھا اور اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اس کا مکلّف بنایا جیسا کہ فرمایا: ’’ہم نے آپ کی طرف قرآن کواتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو کھول کھول کر بیان کریں وہ احکام جوانکی طرف نازل کے گئے ہیں۔اورتاکہ وہ غوروفکر کریں مفتی بیان اور وظیفہ کی اداء میں نبی ﷺ کا جانشین ہے۔اور نبی ﷺ کے بعد صحابہ نے اس خلافت کی نگرانی کی اور صحابہ کے بعد اھل علم نے۔

فتویٰ کا موضوع

ج -ان موضوع الفتوى هو بيان احكامِ اللهِ تعالى ، وتطبِيقها على افعالِ الناسِ ، فهِى قول على اللهِ تعالى ، انه يقول لِلمستفتِى : حق عليك ان تفعل ، و حرام عليك ان تفعل ، ولِذا شبه القرافِى المفتِى بِالترجمانِ عن مرادِ اللهِ تعال ، وجعله ابن القيِمِ بِمنزِلةِ الوزِيرِ الموقِعِ عنِ الملكِ قال : اِذا كان منصِب التوقِيعِ عنِ الملوكِ بِالمحلِ الذِى لا ينكر فضله ، ولا يجهل قدره ، وهو مِن اعلى المراتِبِ السنِياتِ ، فكيف بِمنصِبِ التوقِيعِ عن ربِ الارضِ والسماواتِ (1)، نقل النووِى : المفتِى موقِع عنِ اللهِ تعالى ، ونقِل عنِ ابنِ المنكدِرِا نه قال : العالِم بين اللهِ وبين خلقِهِ ، فلينظر كيف يدخل بينهم ؟ . (2)

فتوی کا موضوع: اللہ کے احکام کو بیان کرنا اور ان احکامات کو لوگوں کے افعال پر منطبق کرنا ہے۔پس یہ قول اللہ پر ہے کہ وہ فتوی طلب کرنے والے کو کہے کہ لازم ہے تجھ پر کہ تو یہ کام کرے یا حرام ہے تجھ پر کہ تو یہ کام کرے۔اسی وجہ سے قرافی نے مفتی کو تشبیہ دیا اللہ کی مراد کی ترجمانی کے ساتھ۔اور ابن قیم نے مفتی کو بمنزلہ اس وزیر کے قرار دیا جو بادشاہ کی طرف سے مہر لگاتا ہو۔جب بادشاہوں کی طرف سے مہر لگانے کا منصب ایسے محل کے ساتھ ہے جس کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جا سکتا،اور نہ اسکی قدر سے جہالت برتی جاتی ہے۔اور وہ مراتب سیاسیات کے اعلی درجہ میں سے ہے۔تو زمین وآسمان کی رب کی طرف سے مہر لگانے والے کا منصب کیسے ہوگا۔ امام نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ مفتی اللہ کی طرف سے مہر لگانے والا ہے۔اور ابن المنکدر سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ عالم اللہ جل جلالہ اور اس کے مخلوق کے درمیان (ایک واسطہ) ہے۔پس چاہیئے کہ نظر کرے کیسے داخل ہوتا ہے ان کے درمیان۔

شروط المفتی

11۔ لا يشترط فِى المفتِى الحرِية والذكورِية والنطق اتِفاقا ، فتصِح فتيا

العبدِ والمرءۃِ والاخرسِ ویفتِی بِالکِتابۃاِو بِالاِشارۃِ المفہِمۃ ، (2)واما السمع ، فقد قال بعض الحنفِیۃِ :اِنہ شرط فلا تصِح فتیا الاصمِ وھو من لا یسمع اصلا ، وقال ابن عابِدِین : لا شك انہ اِذا کتِب لہ السؤال واجاب عنہ جاز العمل بِفتواہ ،اِلاا نہ لا ینبغِی ان ینصب لِلفتوی ، لانہ لا یمِکن کل احد ن یکتب لہ (3)، ولم یذکر ھذا الشرط غیرھم ، واذا لم یذکروا فِی الشروطِ البصر ، فتصِح فتیا الاعمی ، وصرح بِہِ المالکِیۃ۔

مفتی میں آزادی اورتذکیر کی اور بولنے کی شرط نہیں ہے بالا تفاق۔لہذا غلام،عورت،اور گونگے کا فتوی صحیح ہے۔گونگا کتابت سے یا اشارہ سے فتوی دیگا اشارہ سمجھنے والے کو۔بہر حال ''سننا'' بعض حنفیہ نے کہا کہ یہ شرط ہے بہرے کا فتوی دینا صحیح نہیں ہے اوروہ شخص جو بالکل نہیں سن سکتا۔ابن عابدینؒ نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی شک کہ جب اسے سوال لکھا جائے اوروہ اس سوال کا جواب دے تو اس کیلئے فتوی کا کام کرنا جائز ہے۔مگر نہیں مناسب کہ اس سے فتوی کے منصب کیلئے مقرر کیا جائے۔کیونکہ ہر شخص کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اس کو لکھے۔اورنہیں ذکر کیا اس شرط کا ان کے علاوہ نے،اور جب ذکر نہیں کیا گیا شرائط میں ''بصارت'' کوتو صحیح ہے نابینا کا فتوی دینا اور اس کی مالکیہ نے تصریح کی ہے۔

(1)الموافقات 95.89/4 (2)شرح المنتھی 457/3،واعلام الموقعین 220/4،وحاشیۃ ابن عابدین 302/4۔وصفۃ الفتوی لابن حمدان ص 13 والمجموع 75/1 تحقیق المطیعی.(3) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین 302/4)

اما ما یشترط فِی المفتِی فھو أمور :

مفتی کے بارے میں جو شرط ہے وہ چند امور ہیں۔

12۔ -الاِسلام : فلا تصِح فتیا الکافِرِ

. مسلمان ہونا کافر کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

ب -العقل : فلا تصِح فتيا المجنونِ :

عقل کا ہونا مجنون کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

ج -البلوغ : فلا تصِح فتيا الصغِيرِ :

بالغ ہونا نابالغ کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

- 13د : العدالة : فلا تصِح فتيا الفاسِقِ عِند جمهورِ العلماِ ، لان الِفتا يتضمن الِاخبار عنِ الحكمِ الشرعِيِ ، وخبر الفاسِقِ لا يقبل ، واستثنى بعضهم افتاء الفاسِقِ نفسه فِانه يعلم صِدق نفسِهِ . (2)

مفتی کا عادل ہونا شرط ہے فاسق کا فتوی دینا صحیح نہیں ہے جمہور علماء کے ہاں کیونکہ فتوی حکم شرعی کے بارے میں خبر دینے کو متضمن ہے اور فاسق کی خبر نہیں قبول کی جاتی اور استثناء کیا ان میں سے بعض نے فاسق کا اپنے نفس کے بارے میں فتوی دینے کو کیونکہ وہ اپنے نفس کی صدق کو جانتا ہے۔

اجتہاد اور جماعت المسلمین:

اجتہاد اور فتوی کی وضاحت اور مجتہد ہونے کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان سے معلوم ہوتا ہے اس وادی پر خار میں آبلہ پائی ہر مدعی عشق کے بس کا روگ نہیں۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں بعض صحابہ منصب اجتہاد پر فائز ہو چکے تھے اور بقیہ صحابہ کرامؓ اجمعین ان غیر منصوص اجتہادی مسائل میں ان کی پیروی کرتے تھے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے:

عبدالله بن عمروعن بن العاصؓ قال: جاء رسول الله ﷺ خصمان يختصمان فقال لعمرو:اقضى بينهمايا عمرو،فقال: انت اولىٰ بذالك منىّ يارسول الله قال عليه الصلوٰةوالسلام:وان كان قال: فاذاقضيت بينهما فمالى؟قال:ان انت قضيت بينهما فاصبت القضاء فلك عشر حسنات وان

انت اجتهدت فاخطأت فلك حسنة

(معجم الصغیر رقم ۱۳۱، المطالب العالیہ ج ۲ ص ۲۹۶ رقم ۲۱۲۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان فرماتے ہیں: دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے عمرو ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ حضرت عمروؓ نے عرض کیا آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ کام میرے ہی شایانِ شان ہے لیکن یہ فیصلہ تم ہی کرو۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا جب میں فیصلہ کرونگا تو میرے لئے کیا اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو نے فیصلہ کیا اور درست فیصلہ کیا تو تیرے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر تو نے اجتہاد کیا مگر اجتہاد میں خطا ہو گئی تو تب بھی تجھے ایک نیکی ملے گی۔

لٰہذا ثابت ہوا کہ مجتہد ہر حال میں اللہ کے ہاں ماجور ہے۔

میرے تو دونوں ہاتھ نکلے کام کے
دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے

اللہ نے مجتہدین کے لئے جو ہر حال میں خطاء وصواب کا انعام رکھا ہے اتنا شاندار پیکج دیکھ کر بعض وہ لوگ جو میدان علم وعمل اور تقویٰ میں تو کبھی نظر نہیں آئے البتہ بحث مباحثہ تکفیر مسلمین کے میدان میں پیش پیش ہیں انہوں نے اچھل اچھل کر دعویٰ اجتہاد شروع کر دیا کہ

چون ہمہ دیگر نیست

جیسی قرآن وحدیث کی سمجھ ہم کو آئی ہے ہم سے پہلے علماء وفقہاء اس کو نہ سمجھ سکے۔ خود اپنے نام کے ساتھ لقب لکھوا کر شائع کر کے خود کو مجتہد سمجھ بیٹھنا یہ انہیں کیڑوں کا احساس محرومی ہے جس پر چابک دستی سے پردہ ڈال دیتے ہیں۔

لطیفہ: سیالکوٹ میں ایک بے روزگار نوجوان نے دکان بنا کر ڈاکٹری کا کام شروع کر دیا اور باہر لکھ دیا ڈاکٹر فلاں بن فلاں ایم بی بی ایس پولیس نے ریڈ کیا اور پوچھا کہ آیا تم ایم بی بی ایس

ڈاکٹر؟ اپنی سند دکھاو؟ تو وہ نوجوان زور زور سے ہنسنے لگا۔ پولیس نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا ایم بی بی ایس کا وہ مطلب نہیں جو تم نے سمجھا ہے بلکہ اس کا مطلب ہے محلّہ بڈھی باز ار سیالکوٹ

بالکل اسی طرح مجتہدین اور فقہاء کی تکفیر کرنے والے اور اپنے ماسواء سب کو کافر سمجھنے والے مسعود احمد بی ایس سی سے جب پوچھا کہ آپ تو تمام اسلامی حکومتوں کو غیر مسلم سمجھتے ہو پھر آپ نے اپنی جماعت کو ان سے رجسٹرڈ کیوں کروایا؟ تو جواب سنئے اس نام نہاد موحد کا جو علماء کو رشوت خور اور دین فروش کہنے سے باز نہیں آتا، کہتا ہے حکومت نے اعلان کیا کہ رجسٹرڈ جماعتوں کو زمین دی جائے گی ہم نے ان کے رجسٹرڈ میں درج کرادیا اور زمین خرید لی۔

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینے میں ص ۴۹۹)

خانہ ساز توحید سے ایسے ہی خانہ خراب موحد نکلا کرتے ہیں منصب اجتہاد و افتاء چونکہ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں ہے اس لئے ہر آدمی مسند افتاء پر بیٹھنے کا اہل نہیں ہے۔ لہذا اصحابہ کرامؓ میں بھی بہت کم صحابہ کرامؓ تھے جو فتویٰ دیتے تھے اور بقیہ صحابہ کرامؓ ان پر عمل کرتے تھے جیسا کہ محمد بن سہل بن حثمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

ان الذين كانوا يفتون على عهد رسول الله ﷺ ثلاثة من المهاجرين عمروعلى وعثمان وثلاثة من الانصار أبى بن كعب ومعاذبن جبل وذيد بن ثابت

(فتح الباری لابن حجر کتاب البیوع الی السلم)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مہاجرین میں سے تین صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور انصار میں سے تین صحابہ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ فتویٰ دیتے تھے۔

مگر رافضی فطرت مسعود احمد فتویٰ لینے اور دینے والے دونوں کو منافقین میں شمار کرتا ہے۔

مسعود احمد اپنی کتاب توحید المسلمین میں لکھا ہے: **ان المنافقين فى الدرك الاسفل**

من النار بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا اللہ کے دین پر مضبوطی سے کاربند ہونا کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دین کو خالص اللہ کیلئے رکھے۔ اللہ کے دین میں آمیزش نہ کرے کسی رائے، فتویٰ ورقیاس کو دین میں شامل نہ کرے۔ (توحید المسلمین ص 282)

یعنی رائے فتویٰ اور قیاس معاذ للہ علامات نفاق ہیں تو مذکور بالا چھے صحابہ کرام جو فتوی دیتے تھے اور بقیہ جو صحابہ کرامؓ ان کے فتوے پر عمل کرتے تھے سب کے سب مسعودی مذہب میں منافق قرار پائیں گے۔ العیاذ باللہ

کھلے گا کس طرح مکتوب، میرے مضمون کا یارب
قسم کھائی ہے اس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

جناب مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ --

علماء ومشائخ کے فتووں قیاسات اجتہادات اور آرا کو شریعت کا درجہ دینا شرک ہے
(توحید المسلمین صفحہ نمبر ۲۷۳)

شریعت ساز صرف اللہ تعالی ہے لہذ احرام وحلال کا فیصلہ وہی کرسکتا ہے۔ (توحید المسلمین ص ۲۷۳)

اگر فتوی میں قرآن وحدیث کی بجائے اپنی رائے پیش کرے تو یہ شرک ہے (توحید المسلمین صفحہ نمبر 273)

۱۔ الاجتہاد

وهو : بذل الجهدِ فِی استِنباطِ الحکمِ الشرعِیِ مِن االدِلۃ المعتبرۃِ ، لِقولِهِ تعال : (قل اِنما حرم ربِی الفواحِش ما ظهر مِنها وما بطن والاِثم والبغی بِغیرِ الحقِ ون تشرکِوا بِاللهِ ما لم ینزِل بِهِ سلطانا وان تقولوا عل اللهِ ما لا تعلمون)

قال الشافِعِی فِیما رواه عنه الخطِیب : لا یحِل لاحد ان یفتِی فِی دِینِ اللہِ ، اِلا رجلا عارِفا بِکِتابِ اللہِ : بِناسِخِہِ ومنسوخِہِ ، ومحکمِہِ ومتشابِہِہِ ، وتأوِیلِہِ وتنزِیلِہِ ، ومکِیہِ ومدنِیہِ ، وما اُرِید بِہِ ، ویکون بعد ذلِکِ بصِیرا بِحدِیثِ رسولِ اللہِ صلی اللہ علیہِ وسلم ویعرِف مِن الحدِیثِ مِثل ما عرف مِن القرآنِ ، ویکون بصِیرا بِاللغِة ، بصِیرا بِالشِعرِ ، وما یحتاج اِلیہِ لِلسنۃِ والقرآنِ ویستعمِل ھذا مع الاِنصافِ ، ویکون مشرِفا علی اختِلافِ اھلِ الامصارِ ، وتکون لہ قرِیحۃ بعد ھذا ، فاِذا کان ھکذا فلہ ان یتکلم ویفتِی فِی الحلالِ والحرامِ ، واِذا لم یکن ھذا.

ادلۂ معتبرۃ سے حکم شرعی کے استنباط کے بارے میں محنت کے صرف کرنے کو اجتہاد کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کیوجہ سے: **قل انما ربی الفواحش ما ظھر منھا الاٰیۃ۔**"

امام شافعیؒ نے فرمایا اس روایت میں جو خطیب نے ان سے نقل کی ہے کہ جائز نہیں ہے کسی کیلئے کہ وہ فتوی دے اللہ کے دین کے بارے میں سوائے اس شخص کے جو اللہ کی کتاب کو اچھی طرح جانتا ہو۔ اس کے ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ، تأویل، تنزیل، مکی، مدنی ہونے کو اور اس سے کیا مراد ہے سب کو جانتا ہو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو جانتا ہو ایسے جیسے قران کو جانا۔ اور لغت پر بھی بصیرت رکھنے والا ہو اور شعر پر بھی بصیرت رکھنے والا ہو اور اس چیز پر بھی بصیرت رکھنے والا ہو جو اس کو قرآن وسنت (کے سمجھنے) کیلئے ضرورت ہونگی، اور اس کو انصاف کے ساتھ استعمال کرے اور وہ تمام شہروں کے لوگوں کے اختلاف پر بھی مطلع ہو۔ اور اس کیلئے۔ اور ہوگا اس کے بعد اس کو شروع کرنے والا ہوگا۔ پس جب اس طرح ہوگا تو اس کیلئے یہ کہ تکلم کرے اور حلال حرام کے بارے میں فتوی دے۔ اور جب وہ اسطرح نہیں ہوگا تو جائز نہیں ہے۔

اجتہاد اس خاص قوت استنباط کا نام ہے جس کے ذریعے آدمی قرآن وحدیث کے خفیہ و دقیق احکام ومعانی اور رموز وعلل کو انشراح صدر کے ساتھ حاصل کر لیتا ہے کہ عام لوگوں کی یہاں

تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشادفرماتے ہیں

واذا جائهم امر من الامن او الخوف أذاعوا به ولو ردوه الى الرسول و الى أولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (النساء:۸۳)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ:

وفى هذه الآية دلالة على وجوب القول بالقياس و اجتهادالرأى فى الأحكام الحوادث

(احكام القروآن.ج:۲،ص:۲۶۲)

یعنی اس آیت مبارکہ میں نئے پیش آمدہ مسائل پر مجتہد کی طرف سے کئے جانے والے اجتہاد، قیاس اور رائے کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔آپ ﷺ نے خود مجتہدین کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، جو پیش آمدہ غیر منصوص اجتہادی مسائل میں اجتہاد فرماتے ہیں۔

جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو بطور امتحان پوچھا کہ اے معاذ...کس چیز کے مطابق فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کتاب اللہ کے مطابق۔آپ ﷺ نے پوچھا اگر مسئلہ کتاب اللہ میں نا ملے تو پھر؟ عرض کیا کہ: رسول اللہ ﷺ کی سنت کو دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔آپ نے عرض کیا کہ اگر مسئلہ نا کتاب اللہ میں ملے اور نا ہی سنت رسول اللہ ﷺ میں تو پھر؟ عرض کیا کہ اجتهاد بالرأى کہ میں اپنی رائے سے اجتھاد کروں گا۔اس پر آپ ﷺ نے مسرور ہوکر فرمایا:

الحمدلله الذى وفق رسول الله لما يحب رسول الله

(ابوداود.رقم الحديث:۳۵۹۲،ترمذى.رقم الحديث:۱۳۲۷)

"اللہ کا شکر ہے جس نے میرے قاصد کی رائے کو اس کے موافق کر دیا جس سے اللہ کا رسول راضی ہے"

یعنی غیر منصوص اجتہادی مسائل میں اجتہاد کرنا اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کا ذریعہ

ہےاور جب مجتھد اجتہاد کرے گا تو عامی آدمی اس پر عمل کرے گا جن میں خود اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔اور شریعت میں ہرایک کو منصب اجتہاد پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں۔

أما شرطه فانه یحوی علم الکتاب بمعانیه و علم السنة بطرقها و متونها و ان یعرف وجوه القیاس

(کنزالوصول الی معرفة الأصول:۲۷۸)

مجتھد کے لئے شرط یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ کے علوم پر، معانی پر دسترس حاصل ہو، سنت اور علمِ حدیث کے مختلف طرق اور متون اور ان کے معانی کی وجوہات اور قیاس کرنے کی وجہ سے بھی واقف ہو۔

جس میں مذکورہ صلاحیت ہوگی وہ تو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے مگر جس بیچارے کا مبلغ علم ہی صرف چند اردو کتب کی ورق گردانی ہو وہ فتویٰ بازی کرے تو اسے زیب نہیں دیتا۔لھذا اجتہاد کا منکر، پیش آنے والے جدید مسائل میں امت مسلمہ کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اسلام نے ان کا کوئی حل پیش نہیں کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجتھد بننے کی تمام شرائط کو بیان رکر دیا جائے تا کہ اگر کسی کے دماغ میں شوق اجتہاد سمایا ہے تو وہ آئینہ دیکھ کر تقابل کرلے کہ آیا میں اس عظیم منصب کا اہل ہوں بھی کہ نہیں؟ اگر نہیں تو پھر فرمانِ پیغمبر کے مطابق اہل لوگوں سے جھگڑا کرنا چھوڑ دے۔

شرائط اجتہاد

شرائط اجتہاد کو اولا ہم دو قسموں میں تقسیم کریں گے۔

۱: شرائط جو وہبی نہیں کسبی ہیں۔انہیں شرائط عامہ کہتے ہیں

۲: وہ شرائط جو کسب سے متعلق ہیں، ان امور میں محنت کرنے والے کو منصب اجتہاد تک پہنچا دیتی ہیں۔

۱:شرائط عامہ تین ہیں۔۱:اسلام ۲:بلوغ ۳:عقل
اورشروط اہلیت یعنی کسبی یہ دو قسم پر ہیں۔
۱:بنیادی شروط ۲:شروط تکمیلیہ

بنیادی شروط

معرفة الكتاب والسنة ،ومعرفة اللغة،معرفة اصول الفقة،معرفة مواضع الاِجماع

شروط تکمیلیہ

معرفة البرائة الأصلية،معرفة مقاصد الشريعة،معرفة القواعد الكلية،معرفة مواضع الخلاف،العلم بالعرف الجارى فى البلد،معرفة المنطق،عدالة المجتهد و صلاحه،حسن الطريقة و سلامة المسلك،الورع والعفّة،رصانة الفكروجودة الملاحظة، الافتقار الى الله تعالىٰ والتوجه اليه بالدعاء،ثقته بنفسه و شهادة الناس له بالأهلية،موافقه عمله مقتضى قوله
(ارشاد النقاد الى تيسير الاجتهاد لمحمد بن اسماعيل الصنعانى،ج:۱،ص:۱۰)

یہ ہیں وہ شرائط جن کا عملاً پایا جانا ایک مجتہد میں ضروری ہے۔جب اتنے سخت معیار کی کسوٹی پر پورا اتر کر کوئی مجتہد مسئلہ بتائے گا تو وہ اس کا اپنا گھڑا ہوا دین ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ وہ کتاب وسنت یا اجماعِ امت ہی سے ثابت شدہ ہوگا۔اس کو شرک قرار دینا مسعود احمد (بی ایس سی) کے علمی کھوکھلے پن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

رائے، قیاس اور جماعت المسلمین

یہ تو تھی فتویٰ اور اجتہاد کی وضاحت اور صحابہ کرامؓ کے نزدیک اس کی اہمیت۔اب آیئے ذرا رائے اور قیاس کو سمجھیں کہ رائے کسے کہتے ہیں؟اور قیاس کا مطلب کیا ہے؟

رائے لغت میں عقل تدبر اور غور وفکر کو کہتے ہیں اور اس کے اصطلاحی معنیٰ کے باری میں

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

والرأی لا یصلح لنصب الحکم به ابتداءً وانما هو لتعدیة حکم النص الی نظیره مما لا نص فیه

(اصول سرخسی ج ۲ص۹۰)

رائے ابتداء کسی حکم کے نصب کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ یہ نص کے حکم کو اسکی نظیر تک پہنچاتی ہے جس میں نص نہ ہو۔

علامہ شوکانی رقم طراز ہیں

:وقیل ان الرائے انما هو اجتهاد بالنصوص غیر الصریحة فی دلالتها

ترجمہ: اپنے مدلول میں غیر صریح نصوص میں اجتہاد کرنے کو رائے کہتے ہیں۔

وقیل انه مایتوصل به الحکم الشرعی من جهة الاستدلال والقیاس

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ رائے نام ہے استدلال اور قیاس کے ذریعے حکم شرعی تک پہنچنے کا۔

صحابہ کرام کے نزدیک رائے کی حیثیت:

قیل ان الرائے عند الصحابة وهو القیاس ولاخذ بالمصلحة وقد وجد منهم من اکثر استعمال القیاس واطلق علیه الرای وقیل انه یعنی عند الصحابة القیاس والاستحسان وقال بعض العلماء ان الظاهر من فتاویٰ الصحابةؓ ان الرای لدیهم هو الحکم بناء علی القواعد العامة

(الاجتہاد والتقلید فی الاسلام)

صحابہ کے نزدیک رائے، قیاس اور مصلحت ہی کو کہتے تھے۔ اور صحابہ میں یہ بات بکثرت تھی۔ کہ قیاس پر رائے کا اطلاق کرتے تھے۔ اور بعض صحابہ کے قیاس اور استحسان کو رائے کہتے تھے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں۔ کہ صحابہ کے فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان کے قواعد عامہ پر حکم کی بنیاد رکھنے کو رائے کہتے تھے۔ الغرض صحابہ کرامؓ کے نزدیک رائے اور قیاس ایک ہی چیز کا نام تھا۔

تھوڑا سا پہلے تزکیہ نفس کے ان دشمنوں کی اخلاقی پستی ایک مثال ذکر کی گئی تھی کہ لوگ جب خدا کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال کرلیں کاغذی جماعتوں کے کاغذی امراء جب شریعت کو مذاق بنا کر رکھ دیں تو پھر دین اسلام کا اللہ ہی حافظ ہے۔ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ نئی شادی رچالینا جب کہ نہ اسے طلاق دی گئی ہو اور نہ اس نے خلع لیا ہو یہ شریعت اسلامیہ نے کب جائز رکھا ہے؟ مسعود احمد بی ایس سی نے یہاں تک لکھا ہے کہ علماء اور مشائخ کے فتووں، قیاسات، اجتہادات اور آراء کو شریعت کا درجہ دینا شرک ہے۔

(توحید المسلمین ص ۲۷۳)

تو اشتیاق احمد صاحب کے اجتہاد کو شریعت قرار دینے والے مسعودی مشرک نہ ہوئے؟

بلکہ مزے کی بات یہ ہے کہ سمیرا نامی لڑکی جس سے امام مسلمین: نام نہاد: اشتیاق احمد ناجائز ازدواجی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں۔بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کے بھائی شاہد علی اشتیاق احمد امیر جماعت کا وکیل ہے اس کی طرف سے مناظرے کرتا ہے یعنی مسعودیوں میں ضمیر اور غیرت نام کی کوئی چیز نہیں۔لہذا جو چیز انکی عیاشی اور آوارہ گردی کے راستے میں رکاوٹ بنے چاہے وہ فقہ ہو یا تصوف، علماء ہوں یا مشائخ سب کو بیک جنبش قلم کافر و مشرک لکھ کر فیصلہ سنا دیتے ہیں۔

اب تک جماعت المسلمین کی کیجانے والی خلاف شرع حرکات کا جائزہ لیا گیا اور مسعود احمد کی خودساختہ توحید جو بنام توحید المسلمین تھی اسکے کچھ اقتباسات ھدیہ قارئین کیئے۔اب اسکی دوسری کتاب جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینے میں کا تجزیہ پیش خدمت ہے۔اس کتاب میں جناب مسعود احمد نے دانستہ تو کوئی ایسی نامسعود حرکت نہیں چھوڑی جس کا اس کتاب میں ارتکاب نہ کیا گیا ہو جھوٹ، خیانت، بہتان اور اسلام دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اگر نادانستہ بھول کر جناب مسعود سے کوئی سچی بات اس کتاب میں صادر ہوگئی ہو تو بندہ بشر کی خطاء

سمجھ کر درگزر فرمائیں۔

جناب مسعود قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب آب حیات کے بارے میں اپنی تحقیق لکھتے ہیں اور یہ تحقیق ان کی اپنی نہیں بلکہ ۱۸۵۵ء میں ہندوستان میں پیدا ہونے والے ایسے شخص کی ہے۔ جس نے انگریز کی خوشنودی کیلئے انگریزی استعمار کے مخالف علماء کو بدنام کرنیکی کوشش کی اور سو فیصد دیانت داری کے ساتھ بددیانتی کرتے ہوئے عبارات اکابر میں تحریف کی اور علماء حرمین کو چکما دینے میں کامیاب ہو گیا اگرچہ یہ سازش تار عنکبوت ثابت ہوئی اور اس شخص کی ایجاد کردہ حسام الحرمین نامی تکفیری مشین جلد ہی جام ہو کر کباڑ خانہ کی زینت بن گئی۔ مگر اہل حق کے دشمنوں کی زبانیں تا حال ہزیان گوئی میں مصروف ہیں جناب مسعود صاحب چونکہ بریلی اس بدعتی فرقہ پر نکتہ چین ہونے سے قبل اسی کے خوشہ چیں تھے۔ اس لئے یہ کئی صدیوں کی عادت ہے بآسانی نہیں جاتی۔ اب احمد رضا خان تو مسعود کے نزدیک مسلمان نہ رہا مگر اس خان کی خیانتیں بارگاہ مسعود میں مشرف باسلام ہو چکی ہیں اور غیر مقلدین بھی انہی عبارات کو لے کر اپنے عوام کو ورغلاتے ہیں اب آیئے اس عبارت کی طرف جس پر ان دشمنان فہم وفراست کو اعتراض ہے۔ مسعود لکھتا ہے۔ مولوی نانوتوی نے ختم نبوت کی عجیب وغریب تشریح کی ہے جس نے ختم نبوت کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی آ جائے تو تب بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آیئنے میں ص ۱۶۷)

سیاق وسباق سے ہٹ کر جو عبارت جناب نے پیش کی ہے اگر اس کا پس منظر دیکھا جائے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ حضرت ختم نبوت کا انکار نہیں فرما رہے ہے بلکہ انتہائی عمدہ انداز میں ختم نبوت کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ذاتی ہے اور باقی انبیاءؑ کی نبوت عطائی ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کے صدقے سے انہیں ملی ہے اب حضرت کی عبارت پڑھیئے اور ان الحاد وبدعت زدہ مقتدایان خلق کی دیانت پر سر دھنیئے۔۔۔۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: ہاں اگر خاتمیت بمعنیٰ اتصاف ذات بوصف ثبوت لیجئے جیسا اس ہیچ مداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کو افراد مقصودہ میں مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی جو عملاً دنیا میں تشریف لائے ہیں پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ جو صرف فرض کئے جائیں پر بھی آپ کی فضیلت بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی ﷺ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

اب دیکھیے یہاں پر حضرت نانوتویؒ تو شرط کے ساتھ ایک مفروضہ کو بیان فرما رہے ہیں اور یہ ختم نبوت مرتبی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اگر آپ ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کرلیا جائے تو اسے بھی حضور ﷺ کے آفتاب نبوت سے مستنیر: روشن ہونے والا: مانا جائے گا۔ اور اس سے حضور ﷺ کی خاتمیت مرتبی میں کوئی فرق نہ آئے گا اور مسعود صاحب نے اپنے پیش رو خائن صاحب کی طرح شرط کو بغیر جزاء کے نقل کیا ہے اور آخری الفاظ خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا سے مراد ختم نبوت زمانی لے کر انکار ختم نبوت کا الزام عائد کر دیا حالانکہ اس عبارت کو ختم نبوت زمانی پر محمول کرنا بہت بڑا ظلم اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ پر بہت بڑا بہتان ہے کیونکہ اسلام کے مجموعی عقیدے میں ختم نبوت زمانی اور ختم نبوت رتبی انہی دونوں کا ماننا ضروری ہے اور یہاں صرف ختم نبوت رتبی کی بحث ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسے قضیہ شرطیہ کہا جاتا ہے اور قضیہ شرطیہ کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: **قضية شرطية لا تستلزم الوقوع**

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۰)

قضیہ شرطیہ مستلزم وقوع نہیں ہوتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں متعدد مفروضات پیش فرمائے ہیں مثلاً:

1: ولو شئنا لأتينا كل نفس هداها

(سجدہ:۱۳)

ترجمہ: اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر نفس کو اس کی راہ۔

2:ولو شئنا لبعثنا فی کل قریة نذیرا

(فرقان:۵۱)

ترجمہ: اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے۔

3:لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا

(الانبیاء:۲۲)

ترجمہ: اگر خدا کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو نظام کائنات برباد ہو جاتا۔

اسی طرح اور بھی کئی آیات مبارکہ میں قضیہ شرطیہ استعمال ہوا ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

1:عن عقبة بن عامرؓ قال: قال رسول الله ﷺ لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب

(ترمذی رقم الحدیث ۳۸۶۶)

ترجمہ: اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔

2:عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال لوکنت آمر أحدا أن یسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها

(ترمذی رقم الحدیث ۱۱۵۹)

اگر میں کسی ایک کے لئے سجدہ کرنے کا کہنے والا ہوتا تو بیوی کو کہتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

ان تمام مقامات پر ایسے قضیوں کا تذکرہ ہے جو محض فرض کئے گئے ہیں اور کتاب وسنت میں اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

حضرت مولنا محمد قاسم نانوتویؒ پر ختم نبوت کے انکار کا الزام لگانے والوں میں مسعود احمد بی ایس سی اپنے پیشرو مرزا غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر چلا ہے حضرت نانوتویؒ پر انکار ختم نبوت کی بہتان طرازی سے پہلے انکا عقیدہ ختم نبوت ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولنا قاسم نانوتویؒ ختم نبوت پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اپنا دین ایمان ہے کہ بعد رسول ﷺ کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اسے کافر سمجھتا ہوں (مکتوبات قاسم ص ۵۰)

۲: خاتمیتِ زمانی سے مجھ کو انکار نہیں بلکہ یہ کہیے کہ منکروں کے لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے

(جواب محزورات از حضرت مولانا قاسمؒ ص ۵۰)

۳: جب حضرت خاتم النبیین خاتم مرتب نبوت وحکومت ہوئے تو نہ ان کی تعلیم کے بعد کوئی معلم تعلیم آسمانی لے کر آئے نہ ان کے بعد اور کوئی حاکم خدا کی طرف سے حکم نامہ لائے (آریہ سماج کو جواب ترکی بہ ترکی ص ۵۱ مکتوبہ دیوبند)

۴: حضرت خاتم المرسلین کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے

(جواب محزوراول ص ۳ از حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ)

۵: درصورتیکہ زمانہ کو حرکت کیا جائے تو اس سے کوئی مقصود بھی ہو جائے جس کے آنے پر یہ حرکت منتہی ہو جائے سو حرکت سلسلہ نبوت کے لئے نقطہ ذات محمدی منتہیٰ ہے یہ نقطہ اس ساق زمانی اور ساق مکانی کے لئے ایسا ہے جیسا رأس زاویہ تاکہ اشارہ شناسان حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ ﷺ کی نبوت کون ومکان زمین وزمان کو شامل ہے منجملہ حرکات حرکت سلسلہ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمد ﷺ وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی البتہ اور حرکتیں ابھی اور باقی ہیں۔ زمانہ آخر میں آپ ﷺ کے ظہور کی ایک وجہ یہ بھی تھی (محزورات ص ۳۹)

۶: خاتمیت زمانی اپنا دین وایمان ہے ناحق تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں (جواب محزوراص ۳۹)

۷: آپ ﷺ کا دین سب دینوں میں آخر ہے چونکہ دین حکم نامہ خداوندی کا نام تو جس کا دین آخر ہوگا وہی شخص سردار ہوتا ہے (قبلہ نما ص ۱۱ محمد قاسم)

۸: ان تصریحات کی موجودگی اوران عبارات کے ہوتے ہوئے کسی کا یہ دعویٰ حضرت مولانا قاسم نا نوتویؒ اجرائے نبوت کے قائل ہیں اور حضور ﷺ کے بعد کسی اور نبی کے پیدا ہونے کو اسلام عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں سمجھتے کھلے طور پر علم و دیانت کا خون کرنا ہے

سنت اور جماعت المسلمین کا تصور سنت

مسعود احمد بی ایس سی کہتا ہے۔ سنت وہ ہوگی جو حدیث سے ثابت ہو جو سنت حدیث سے ثابت نہ ہو یا کسی حدیث کے خلاف ہو اسے سنت شمار نہیں کیا جائے گا

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں صفحہ نمبر 658 تا 659)

سنت اور اہل اسلام

سنۃ

التعرِیف:

1۔السنة فِی اللغةِ : الطرِیقة والعادة والسِیرة ، حمِیدة کانت ام ذمِیمة . والجمع سنن . (1)

وفِی الحدِیثِ : "من سن فِی الِاسلامِ سنة حسنة فله اجرها واجر من عمِل بِها بعده مِن غیرِ ان ینقص مِن اجورِهِم شی ، ومن سن فِی الِاسلامِ سنة سیِئة فعلیهِ وِزرها ووِزر من عمِل بِها بعده مِن غیرِ ان ینقص مِن اوزارِهِم شیء ثم استعمِلت فِی الطرِیقةِ المحمودةِ المستقِیمةِ ، فسنة اللهِ احکامه وامره ونهیه ، وسن الله سنة ؛ ای بین طرِیقا قوِیما

ویقال : فلان مِن اهلِ السنةِ ، معناه : مِن اهلِ الطرِیقةِ المستقِیمةِ المحمودةِ

(1)۔ وفِی الحدِیثِ : "ترکت فِیکم امرینِ لن تضِلوا ما تمسکتم بِهما :کِتاب اللهِ وسنتِی "

والسنة عِند الفقهاِء لها معان ، مِنهاا نها اسم لِلطرِیقةِ المسلوکةِ فِی الدِینِ مِن غیرِ افتِراض ولا وجوب .

وتطلق ایضا عِند بعضِ الفقهاِء: علی الفِعلِ اِذا واظب علیهِ النبِی صلی الله علیهِ وسلم ولم یدل دلِیل عل وجوبهِ

وعرفها بعضهم : بِانها ما طلِب فِعله طلبا مؤکدا غیر جازِم . (5)

فالسنة بِهذا المعنی حکم تکلِیفِی ، ویقابِلها الواجِب ، والفرض ، والحرام ، والمکروه ، والمباح ، وعرفها بعض الفقهاِء، بِانها ما یستحق الثواب بِفعِلهِ ولا یعاقب بترکه ۔

سنت: لغت میں طریقہ، عادت، اور سیرۃ کو کہتے ہیں چاہے وہ اچھے ہوں یا برے ہوں اور اسکی جمع سنن آتی ہے۔ اور حدیث میں ہے جس نے اسلام میں اچھی سنت جاری کردی اس کیلئے اس کا اجر ہے اور اس شخص کا اجر جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اس کے کہ بعد والے کے اجروں میں سے کچھ کم کیا جائے۔ اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اس شخص کا بوجھ جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اس کے کہ ان بعد (میں عمل کرنے) والوں کے بوجھ سے کچھ کم کیا جائے۔ پھر پھر استعمال کیا گیا اس طریقہ میں جو محمود ہو اور مستقیم ہو۔ اللہ کی سنت اس کے احکامات اور اس کے اوامر نواہی ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سنت کو جاری کیا ہے کہ اللہ تعالی نے سیدھے راستے کی وضاحت کی۔

اور کہا جاتا ہے فلاں اھل سنت میں سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے کہ جو اچھے اور درست طریقہ والے ہیں اور حدیث میں ہے کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تم ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے اور وہ کتاب

اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔اور فقہاء کے نزدیک سنت کے کئی معانی ہیں اس میں سے ایک یہ ہے کہ ''سنت نام ہے اس طریقہ کا جو دین میں چلا ہوا ہے بغیر فرض وواجب کے اور اسی طرح بعض فقہاء کے نزدیک اس فعل پر بھی کہا جاتا ہے کہ جس پر نبی اکرم ﷺ نے ہمیشگی اختیار کی ہو اور اس فعل کے وجوب پر کوئی دلیل موجود نہ ہو۔اور بعض نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ سنت وہ ہے کہ جس کے کرنے کا مطالبہ کیا جائے طلب مؤکد کیجائے لیکن لازمی نہ ہو۔تو لہذا اس معنی میں سنت ایک حکم تکلیفی ہے اور اس کا مقابل واجب ،فرض ،حرام ،مکروہ ،مباح ہے اور بعض نے اس کی تعریف یہ کی ہے: سنت وہ ھے کہ جس کے کرنے کے ساتھ آدمی ثواب کا مستحق قرار دیا جائے اور چھوڑنے کی وجہ سے سزا نہ دی جائے ،

(1) لسان العرب مادۃ: سن

(2) حدیث: "انی ترکت فیکم شیئین . " . . . اخرجہ مالک فی الموطا (898.2) ط الحلبی (، والحاکم 93/1 ط دائرالمعارف العثمانی (وصحہ .

(3) کشف الاسرار للبزدوی 302/2، وحاشیۃ الفنری علی التلویح 242/2، وابن عابدین 70/1، والتعریفات للجرجانی .

(4) ابن عابدین 70/1، 454، جواہر الاکلیل 73/1، مسلم الثبوت 92/2، جمع الجوامع 89/1، 90 .

(5) جواہر الاکلیل 11/1

(1)وتطلق السنة ا يضا على دلِيل مِن ادِلِة الشرعِ وعرفها الاصولِيون بِهذا المعنى :بانها ما صدر عنِ النبِيِ صلى الله عليهِ وسلم مِن قول ، او فِعل ، او تقرِير . (2)

اورسنت کا اطلاق دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل پر کیا جاتا ہے اور اصولیین نے اس معنی کے ساتھ اس (سنت) کی تعریف کی ہے کہ سنت اس معنی میں ہے کہ جو نبی ﷺ سے صادر ہو قول، فعل ،یا تقریر میں

الاحكام المتعلِقة بِالسنةِ :

وہ احکام جو سنت کے متعلق ہیں

الاول: السنة بِالاصطِلاحِ الفِقهِي :

پہلی بات سنت فقہی اصطلاح میں

2: تطلق السنة عِند الشافِعِيةِ والحنابِلةِ : على المندوبِ ، والمستحبِ ، والتطوعِ ، فهِي الفاظ مترادِفة ، فكل مِنها عِبارة عنِ الفِعلِ المطلوبِ طلبا غير جازِم .

قال البنانِي : ومِثلها الحسن اوِ النفل اوالمرغب فِيهِ .ونفى القاضِي حسين وغيره ترادفها حيث قالوا :اِن واظب النبِي صلى الله عليهِ وسلم على الفِعلِ فهو السنة ، واِن لم يواظِب عليهِ ان فعله مرة و مرتينِ فهو المستحب ،ا و لم يفعله وهو ما ينشِئه الِانسان بِاختِيارِهِ مِن الاورادِ فهو التطوع .ولم يتعرض القاضِي حسين ومن معه لِلمندوبِ لِعمومِهِ لِلاقسامِ الثلاثةِ

سنت کا اطلاق شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مندوب مستحب اور نفل پر کیا جاتا ہے پس یہ سارے الفاظ مترادف ہیں پس اس میں سے ہر ایک نام ہے اس فعل کا جو کہ مطلوب ہو ایسی طلب کے ساتھ جو کہ یقینی نہ ہو۔امام بنانیؒ فرماتے ہیں اور اسکے مثل حسن یا نفل ہے اور اسمیں رغبت کی گئی ہو اور قاضی حسین وغیرہ نے ان الفاظ کے مترادف ہونے کی نفی کی ہے اس حقیقت سے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے کسی فعل پر دوام اختیار کیا ہو تو وہ سنت ہے۔اور اگر دوام نہ کیا ہو ایک یا دو مرتبہ کیا ہو تو اس فعل کو مستحب کہیں گے۔یا اس فعل کو نہ کیا ہو اور یہ وہ فعل ہے جو انسان اپنے

اختیار سے کرتا ہے اور اگر اوار دمیں سے ہو تو یہ نفل ہے۔ قاضی حسین اوران کے ساتھیوں نے مندوب سے کوئی تعرض نہیں کیا اقسام ثلثہ کیوجہ سے۔

وقال ابن عابِدِین :اِن المشروعاتِ اربع قسام : فرض ، وواجِب ، وسنة ، ونفل .فماکان فِعله اولی مِن ترکِهِ مع منعِ الترکِ اِن ثبت بِدلِیل قطعِی ففرض ، او بِظنِی فواجِب ، وبِلا منعِ الترکِ اِن کان مِما واظب علیهِ الرسول صلی الله علیهِ وسلم وِ الخلفاء الراشِدون مِن بعدِهِ فسنة ، وِالا فمندوب ونفل

(ردالمحتار علی الدر المختار 70/1 ط احیا التراث)

ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ بیشک مشروعات کی چار قسمیں ہیں فرض، واجب، سنت، اور نفل ہے۔ پس وہ کہ جسکا کرنا اس کے چھوڑنے سے بہتر ہو۔ چھوڑنے کے منع کے ساتھ ہو، اگر وہ دلیل قطعی سے ثابت ہو تو وہ فرض ہے۔ اگر دلیل ظنی سے ثابت ہو تو وہ واجب ہے، اور بغیر چھوڑنے کے منع کے ساتھ ہو، اگر وہ فعل ایسا ہو جس پر آپ ﷺ نے موظبت اختیار کی ہو یا آپ ﷺ کے جو خلفاء راشدین نے اس پر مواظبت اختیار کی ہو تو یہ سنت ہے۔ ورنہ وہ مندوب اور نفل ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مسعود احمد صاحب کی بیان کردہ تعریف ان کی خانہ ساز ہے۔ جو ان کی علمی کسمپرسی کا پول کھول رہی ہیں۔ ورنہ امت مسلمہ کی بیان کردہ تعریف اور جلیل القدر فقہاء کی تصریحات سے مسعود کی تعریف کا کچھ بھی جواز نہیں بنتا۔

واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: جماعت المسلمین کے عقائد و نظریات میں سے اہم عنوانات پر اختصار سے کی گئی بحث ملاحظہ فرمانے کے اب ضروری ہے۔ کہ اس کی دیگر کتب میں پیش کئے گئے مسائل و نظریات پر بھی بات ہو۔ لیکن قلت وقت اور اختصاص کی ڈیمانڈ اس کی اجازت نہیں دے رہی۔ مسعود صاحب کی دیگر کتب '' منہاج المسلمین، صلوٰۃ المسلمین، تفہیم الاسلام وغیرہ '' میں بیان کردہ مسائل مستقل

تفصیل کے متقاضی ہیں۔ جس پر اکثر حضرات نے لکھا ہے۔ بالخصوص امین صفدر اکاڑی صاحب کی تحریرات کا مجموعہ ''تجلیات صفدر'' کافی وشافی ہے۔ اور فرقہ اہل حدیث کے بعض ذمہ دار حضرات نے بھی اپنی معلومات کی حدتک اس فتنہ کا تعاقب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت المسلمین کے متاثرین کو ہدایت نصیب فرمائے۔ اور ہمیں اس تحریک کے پس منظر، پیش منظر اور تہہ منظر کو مکمل طور پر اجاگر کرنے کی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فصل الثالث

سیکولرازم تعارف وتجزیہ

عصر حاضر کا دین سیکولرازم

سیکولرازم جن معاشروں میں ابتدا پروان چڑھا وہ معاشرے مذہباً عیسائی تھے ما۔اور یہ تلخ حقیقت ہے۔کہ اسوقت کے معروضی حالات کے تناظر میں عیسائیت لوگوں کی کامل رہنمائی سے قاصر تھی۔ بنیادی طور پر عیسائیت ایک مذہب تو ہے مگر دین نہیں ہے۔ مذہب کا انگلش میں ترجمہ کیا جاتا ہے.Religion people چونکہ ان خطوں میں عیسائیت ہی رائج تھی اس لئے مذہبی لوگوں کو Religion کہہ دیا جاتا تھا۔ دین کے لئے اس کے مکمل مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔The complete cord of life یعنی مکمل ضابطہ حیات. یہ ہے دین کا مطلب اور دنیا میں اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب تو ہیں عیسائیت، یہودیت، ہندومت اس کے علاوہ غیر سماوی مذاہب، ہندومت، بدھ مت، وغیرہ یہ چند اخلاقیات، عبادات اور تصور عبودیت تو رکھتے ہیں مگر مکمل ضابطہ حیات نہیں دے سکتے۔ دنیا میں صرف ایک ہی مذہب ہے اور وہ ہے۔ دین اسلام میں جو کہ مکمل ضابطہ حیات ہے۔

سیکولرازم:

سکولرازم قدیم لاطینی لفظ سیکولارس سے ماخوذ ہے جس کا مطلب وقت کے اندر محدود لیا جاتا ہے۔ سیکولرازم لفظ کو باقاعدہ اصطلاح کی شکل میں 1846ء میں متعارف کروانے والا پہلا شخص برطانوی مصنف جارج جیکب ہولی اوک تھا۔ اس شخص نے ایک بار ایک لیکچر کے دوران کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے عیسائی مذہب اور اس سے متعلق تعلیمات کا توہین آمیز انداز میں مذاق اڑایا جس کی پاداش میں اسے چھے ماہ کی سزا بھگتنا پڑی۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد اس نے مذہب سے متعلق اظہارِ خیال کے لئے اپنا انداز تبدیل کر لیا اور جارحانہ انداز کے

بجائے نسبتاً نرم لفظ سیکولرازم کا پرچار شروع کر دیا۔سیکولرازم کو اگر عام معانی میں دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے انسانی ذندگی میں دنیا سے متعلق اُمور کا تعلق خدا یا مذہب سے نہیں ہوتا اور سیکولرازم میں حکومتی معاملات کا خدا اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

سیکولرازم میں انسانی اور حکومتی معاملات میں مذہب کا کوئی عمل نہیں ہوتا بلکہ یوں جانا جائے کہ دُنیاوی اُمور سے مذہب اور مذہبی تصورات کا اخراج آکسفرڈ ڈکشنری کے مطابق سیکولرازم سے مراد ایسا عقیدہ ہے جس میں مذہب اور مذہبی خیالات وتصّورات کو ارادتاً دُنیاوی اُمور سے حذف کر دیا جائے۔Not connected religious or spiritual matter

سیکولرازم انفرادی طور پر بھی آزادی مہیا کرتا ہے کہ آپ من چاہا مذہب اختیار کریں۔اور اگر آپ کسی بھی مذہب پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہتے تو اس کی بھی آپ کو آزادی اور حقوق مہیا کیئے جائیں گے۔پاکستانی معاشرے میں سیکولرازم کو روشن خیالی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔اس اصطلاح کی جڑیں "سکولم" میں ہیں؛ جس کا مطلب ہے زمانہ حال محسوسات کی دنیا ہے.جو دائم اور قابلِ یقین سچائی ہے جس میں انسان کی یہ اہمیت ہے کہ وہ خود اپنے لئے اچھائی یا برائی کا انتخاب کرسکتا ہے۔اور دنیاوی معاملات میں مذہب کی مداخلت تسلیم نہ کی جائے؛سکیولرازم اور مذہب میں رقابت اور تصادم روزِ اول سے موجود ہے، کیونکہ دونوں عمل داری کے معاملے میں سخت جان حریف واقع ہوئے ہیں مثلاً مذہب اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہے کہ وجودِ انسانی کے لئے عالمِ آخرت پر زور دے کیونکہ انسان کی اخلاقی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قادر المطلق اور فنا سے بالاتر ہستی تسلیم کیا جائے؛

اور اسی کے احکام اپنی سیاسی؛ معاشرتی اور معاشی زندگی پر لاگو کیے جائیں۔لیکن سکولراز کو اس طرز فکر اور عمل سے انکار ہے۔اس میں مذہب اگر برداشت بھی کیا جاتا ہے۔تو اس شرط کے ساتھ کہ مذہب اجتماعی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔بزعم خود دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ مذہبی دعووں کی بنیاد پر کیئے گئے فیصلے سماج کے لئے اصلاح کا باعث کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب

کہ ان کے دعووں اور فیصلوں کا ماخذ ایک غیر یقینی خدا کی ہستی اور مبہم ذریعہ الہام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اور سیکولرازم کی کشمکش کا کوئی امکان نہیں۔ سیکولرازم میں مذاہب اور ادیان کو محض عہدِ رفتہ کی عظیم حکایتوں کے یا ایک قصہ پارینہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔

مذہب انسانیت کا پیروکسی مافوق الادراک ہستی اور وجود [خدا؛ وحی؛ فرشتے؛ جن؛ جنت؛ اور دوزخ] کا ایسا مذہب انسانیت قرار دیا جاتا ہے جس کی رو سے انسان کی ذات کائنات کا مرکز ہے. گویا کائنات [Human centric] ہے نہ کہ خدا مرکز [God centric] اس مسلک انسانیت کے تقاضے کیا ہیں عالم آخرت کے بجائے عالم طبیعی [Physical World] کا مطالعہ اور اس کی ترقی کی کوشش اس مذہب انسانیت کا قائل نہیں ہوتا بلکہ انسان کی دنیاوی فلاح کی کوشش کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے؛

سکولرازم کی عملی شکلیں:

۱۔ ''کوئی شخص جو اللہ پر ایمان رکھتا اور نماز وغیرہ پڑھتا ہو۔ لیکن اپنے عقیدے [اسلام] کے سیاسی، سماجی، معاشی، اور اجتماعی اطلاق کا منکر ہو۔ سیکولر ہے

۲۔ ''کوئی شخص یا گروہ اگر عقیدے کے سماجی مطالبات کو نظر انداز کر کے محض روحانی ذکر وفکر پر زور دے وہ بھی سیکولر ہے۔

۳۔ کوئی بھی طرزِ حکمرانی جس میں حاکمیت اعلیٰ عوام الناس کی مانی جائے اور انہی کی خواہشات کو قانون سازی کا منبع تسلیم کیا جائے وہ بھی سیکولر ہی ہے۔''

عوام کی چاہت کے مطابق قانون بنانے کے لئے جمہوریت کا نظام پیش کیا گیا، انقلاب فرانس کے بعد اس نظام کو عروج ملا۔

سیکولرازم کا نظام سیاست۔

جمہوریت۔ ڈکٹیٹر شپ۔ [آمریت]

سیکولرازم نے معیشت کا نظام دو شقوں میں پیش کیا۔

۱] کیمونزم Communism اشتراک

۲] کیپیٹلزم capitalism سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام کو زیادہ مقبولیت ملی۔ سود اور جوا جس کی بنیادی جڑیں ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ ان تمام نظاموں کی بنیاد آزادی مساوات و ترقی پر ہے۔

معاشرت	سیاست	معیشت
آزادانہ اقدار پر معاشرہ قائم ہوگا	جمہوریت آمریت	اشتراکیت سرمایہ دارانہ نظام

سیکولرازم نے ان اجتماعی مسائل کا حل یوں پیش کیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب دین اسلام بھی دعویدار ہے کہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اللہ کے نزدیک صرف یہی قابل قبول ہے۔ عصر حاضر میں ایک ضابطہ حیات کے طور پر لوگ عملی طور پر سیکولرازم کو قبول کیے ہوئے ہے۔ انفرادی سطح پر مذہب اس میں سمو سکتا ہے اجتماعی معاملات میں یہ ایک خاص طرز زندگی فراہم کرتا ہے۔ عصر حاضر میں نمو پانے والا باطل عیسائیت، یہودیت، ہندومت نہیں بلکہ سیکولرازم ہے اور اسلام کا صف اول کا حریف ہے باقی مذاہب تو اس کے اندر ضم ہو گئے ہیں مگر اسلام اس کے اندر ضم نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اسلام ایک مستقل معاشرت رکھتا ہے، باقاعدہ معاشرتی احکام رکھتا ہے کہ معاشرہ مخلوط نہ ہونا چاہئے۔ اس میں فلاں فلاں برائی کو قریب نہ آنے دیا جائے وغیرہ.... یعنی اسلام کی خودی نے دوسرے مذاہب کی طرح بے خود ہو کر فنا ہونے کو قبول نہیں کیا۔

فصل الرابع لبرل ازم تعارف و تجزیہ

لبرل ازم؛

لبرل ازم لفظ لبرل قدیم روم کی لاطینی زبان کے لفظ لائیبر اور پھر لائیبر الس سے ماخوذ ہے

۔جس کی مطلب آزاد لیا جاتا ہے یعنی ہر قسم کی فکری اور ذھنی غلامی سے آزاد۔آٹھویں صدی عیسوی تک اس لفظ کا معنیٰ ایک آزاد آدمی ہی تھا۔بعد میں یہ لفظ ایک ایسے شخص کے لیے بولا جانے لگا جو فکری طور پر آزاد تعلیم یافتہ اور کشادہ ذھن کا مالک ہو۔

اٹھارویں صدی عیسوی اور اس کے بعد اس کے معنوں میں خدا یا کسی اور مافوق الفطرت ہستی یا مافوق فطرت ذرائع سے حاصل ہونے والی تعلیمات وحی سے آزادی بھی شامل کر لی گئی۔یعنی اب لبرل ازم سے مراد ایسا شخص لیا جانے لگا جو خدا اور پیغمبروں کی تعلیمات اور مذھبی اقدار کی پابندی سے خد کو آزاد سمجھتا ہو۔اور لبرل ازم سے مراد اسی آزادروش پر مبنی وہ فلسفہ اور نظام اخلاق وسیاست ہوا جس پر کوئی گروہ یا معاشرہ عمل کرے۔۔۔

سیکولر تصورات کو پیش کرنے والے تین بڑے فلسفی ڈاران۔مارکس اور فرائڈ تھے جو کہ بے دین مادہ پرست دھریے ہونے کی وجہ سے ان کے مبینہ نظام میں سے مذاہبیت کے ساتھ تعصب کی جھلک نظر آتی ہے۔اسی وجہ سیکولر ازم کا ترجمہ ہی بے دینی کے نام سے ہوئے لگا۔سیکولر ازم کی اس خامی کو دور کر کے جو نظام سامنے آتا ہے اسی کو ہی لبرل ازم کہتے ہیں۔لبرل ازم ایسا تصور عدل جو مذہب کا بھی جواز فراہم کرتا ہے اور کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے تو اسکو مکمل آزادی ہے کہ وہ انفرادی زندگی میں اس کو نافذ کرے لیکن اجتماعی معاملات،معاشرت،معیشت،سیاست،میں محض انسان بن کر سوچے مسلمان،عیسائی یا ہندو بن کر نہیں۔

قانون لوگ بنائیں گے لوگوں کے لیے بنائیں گے اور لوگ ہی اس کو چلانے کے حقدار ہیں یعنی دین الجمھور۔مطلب اس کا یہ ہے کہ اکثریت جس کو حرام کہے وہ حرام ہوگا چاہے عوام جسے خیر قرار دے اور جسے چاہے شر قرار دے مثلاً اگر سود کو اچھا سمجھتے ہیں تو اس نظام کے نافذ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔اگر شراب پینا پسند کرتے ہیں تو شراب خانے قائم کروانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔اگر لوگ مسجد جانا پسند کرتے ہیں تو مسجد بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔کسی خاص تصور خیر [قرآن سنت] کو نافذ کر کے لوگوں کی آزادی کو مجروح نہ کریں گے بلکہ خود یہ طے کریں گے کہ انکو

کیا کرنا چاہئے ؛ کسے خیر سمجھنا چاہیے اور کسے شر قرار دینا چاہئے ۔ جو بھی ان کا تصور خیر وشر ہوگا سیکولر حکومت کی ذمہ داری ہے نافذ کرے ۔

لبرل ازم کے تصور کو پیش کرنے والے فلسفی خود عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے ۔ ظاہر البرل تصور ردل ایسا تصور عدل نظر آتا ہے جو مذہب کا جواز فراہم کرتا ہے اگر کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے تو اسکو مکمل آزادی ہے کہ انفرادی زندگی میں نافذ کرے ۔ اس پر عمل کرے لیکن اجتماعی ، معاشرتی سیاسی معاملات میں محض انسان بن کر سوچنا چاہیے مسلمان عیسائی یا یہودی بن کر نہیں بلکہ فقط ایک انسان بن کر سوچنا چاہیے ۔ ان کا دعویٰ ہے کہ صرف لبرل تصور عدل ہی ایک ایسا عادلانہ نظام فراہم کرتا ہے جو سب کے لئے عادلانہ ہوسکتا ہے لبرل ازم کے علاوہ جتنے بھی تصور عدل لوگوں نے بنا رکھے ہیں وہ تمام انسانوں کو عدل فراہم نہیں کر سکتے ۔

لبرل ازم کے ثبوت میں دلیل ؛

اگر کوئی مسلمان ہے اس کا ایک تصور عدل ہے ، وہ مسلمان کے حق میں عادلانہ ہوگا مگر عیسائیت کے لئے ، بدھ مت اور ہندوں کیلئے ہرگز عادلانہ نہیں ہوگا کیونکہ مسلمان اپنے ہی عادلانہ تصور کو فوقیت دیں گے اور معاشرتی سطح پر بھی اپنے تصور عدل کو ہی باقیوں سے بہتر گردانیں گے ، حقیقتا ان کا تصور عدل تمام انسانیت کیلئے عادلانہ نہیں ہوسکتا بلکہ صرف مسلمانوں کیلئے عادلانہ ہوگا ، بالکل اسی طرح اگر کوئی آدمی بائبل پر ایمان رکھتا ہے تو اس کا تصور عدل صرف عیسائیوں کیلئے تو عادلانہ ہوگا مسلمان اور سکھوں اور دیگر اقوم کیلئے عادلانہ نہیں ہوگا ۔ عیسائی اپنے ہی تصور عدل کو باقیوں سے بڑھ کر سمجھیں گے ؛ اور معاشرتی سطح پر عیسائی اپنے تصور عدل کو قابل قدر سمجھیں گے یہی حال ہے تمام قوموں اور مذاہب کا ان کے تصور عدل صرف انکے مفاد کی بات کرتے ہیں باقی لوگوں کیلئے عادلانہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو ہم مکمل عادلانہ نہیں کہ سکتے ۔ جبکہ لبرل ازم وہ تصور عدل پیش کرتا ہے جو سب کو عدل فراہم کرے گا ۔ آپ عدل کا کوئی بھی اصول اور پیمانہ نہیں بنا سکتے جب تک آپ جاہلیت کے پردے کے پیچھے نہ چلے جائیں ایسی جہالت کا پردہ جس میں صرف

آپ سے دو چیزیں اوجھل ہونگی، نمبر ایک آپ کون ہو، نمبر دو آپ کس چیز کو اچھا یا برا سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کو دنیا جہاں کی تمام معلومات فراہم ہوسکتی ہیں کہ اس دنیا میں مسلمان کتنے ہیں عیسائی کتنے ہیں، ہندو عورتیں کتنی ہیں غرض ہر طرح کی معلومات فراہم ہوسکتی ہیں مگر جہالت کے اس پردے کے پار آپ کو صرف دو چیزوں کا علم نہیں،

[۱] آپ کون ہیں معاشرتی حیثیت آپ کی کیا تھی، مسلمان تھے کافر تھے غریب تھے یا امیر تھے مرد تھے یا عورت تھے۔

[۲] کس چیز کو آپ خیر سمجھتے تھے کس چیز کو شر گردانتے تھے حلال کیا تھا حرام کیا تھا صحیح کیا تھا غلط کیا تھا، ان دو چیزوں کو بھلا کر ایک کمرہ میں داخل ہوں پھر اس کمرے میں بیٹھ کر آپ عدل کا قانون وضع کر سکتے ہیں؛ اس کمرے میں بیٹھ کر آپ جو تصور عدل وضع کریں گے وہ عادلانہ ہوگا، ایسی کوئی جگہ دنیا میں نہیں ہے جس میں وہ داخل ہونے سے آدمی ان دو چیزوں کو بھول جائے اور باقی سب کی اسکو خبر ہو بلکہ یہ ذہن کا ہی ایک خانہ ہے، یعنی آپ کچھ دیر کے لئے ایسا سمجھ لیں کہ مجھے ان دو چیزوں کا علم نہیں۔ نمبر ایک آپ کون ہو نمبر دو صحیح اور غلط کیا ہے پھر محض انسانی مفاد کو مدنظر رکھ کر صحیح اور غلط کے اصول وضع کریں تو یہ تصور عدل حقیقی عدل فراہم کر سکتا ہے، تمام انسانوں کو لبرل ازم اسی تصور عدل کی طرف دعوت دیتا ہے نہ کہ مسلمان بن کر سوچو نہ عیسائی بن کر نہ مرد بن کر نہ عورت بن کر بلکہ محض انسان بن کر سوچو

یہ ہے لبرل ازم کا تصور عدل، جس کے سامنے بہت ساروں نے گھٹنے ٹیک دیے بلکہ اسی کو حق اور سچ سمجھ کر اپنا مذہبی نکتہ نظر سے اس کی توثیق پیش کرنا شروع کر دی۔ لبرل ازم سیکولرازم سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا جو کہ بظاہر مذہب کو اپنے اندر ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انفرادی معاملات میں فرد مذہب پر عمل کر کے مطمئن رہتا ہے جبکہ سیاسی اور معاشرتی طور پر لبرل ازم اپنا کام دیکھاتا ہے ایک خاموش طوفان کی طرح یہ کام کرتا ہے لوگ مذہب سے دور ہوجاتے ہیں اگر کوئی مانتا بھی ہے تو مذہب چند عبادات اور رسومات کا نام بن کر رہ جاتا ہے۔ اول نظر میں دیکھنے

سے یہ دلیل مضبوط نظر آتی ہے کہ تصور عدل اور حقیقی انصاف صرف لبرل ازم ہی مہیا کرتا ہے۔ اگر تھوڑا سا غور سے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا۔

دلیل کا رد:

کہ جو الزام عدل کے حوالہ سے مذہب پر لگایا جاتا ہے وہ وجہ تو خود لبرل تصور عدل میں بھی ہے وہ اس طرح کہ انسان کبھی بھی اپنے زمان و مکان سے اوپر اٹھ کر نہیں سوچ سکتا یعنی اپنے تاریخی تناظر میں ہی رہ رہ کر سوچ سکتا ہے لہذٰ البرل تصور عدل اس خاص تناظر والوں کیلئے تو عادلانہ ہوگا باقی ساری دنیا والوں کیلئے غیر عادلانہ۔ جیسا کہ عملی طور پر بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ لبرل تصور عدل سوسائٹی کے علاوہ سب کیلئے غیر عادلانہ ہے خواہ کوئی بھی مذہب ہو کوئی بھی روایتی کلچر ہو۔

لبرل تصور کو اپنانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کائنات میں کوئی چیز نہ صحیح ہے اور نہ غلط، شراب پینا، نماز پڑھنا، زنا کرنا، والدین کی خدمت کرنا، قرآن پڑھنا۔ پارک میں بیٹھ کر گھاس کے پتے گننا، سب کام برابر ہیں ان میں نہ کوئی خیر ہے اور نہ کوئی شر ہے۔ کیونکہ جب ہر فرد الگ الگ متعین کرے گا کہ صحیح کیا ہے غلط کیا ہے تو ہر ایک کیلئے صحیح وہ سمجھا جائے گا جسے وہ صحیح کہے اور اس کیلئے غلط اس کو سمجھا جائے جسے وہ غلط کہے۔ حقیقت کے اعتبار سے خیر و شر کا تصور ہی باطل ہو گا بلکہ یہ معاملہ ایک فرد پر منحصر ہو کر رہ جائے گا۔ جو چاہئے کرے جیسے چاہے، جو مرضی سمجھ لے مسجد جانے کو اچھا سمجھے یا گرجا گھر جانے کو یا پھر جوا خانہ کو اچھا سمجھے۔

فصل الخامس روشن خیالی (انلائیٹمنٹ) تعارف و تجزیہ

مغرب نے جب یہ طے کر لیا کہ انسان کی عظمت یہی ہے کہ وہ آزاد ہو انفرادی سطح پر بھی اجتماع و سیاسی اور معاشرتی سطح پر بھی تو آزادی کو فروغ دینے کے لئے مختلف قسم کی تحریکوں نے جنم لیا کئی فریم ورک (fram work) بنائے گئے۔

انہی میں سے ایک ہے تحریک تنویر(Inlight ment) یعنی روشن خیالی

انیسویں صدی میں ایک بہت بڑی اقداری تبدیلی رونما ہوئی قدر کے معیار بدل گئے، عزت وذلت کے پیمانے تبدیل ہو گئے،قدیم زمانہ کے عظیم انسان (انیسویں صدی سے پہلے کے عظیم انسان) کو آج کی دنیا عظیم ماننے کے لئے تیار نہیں ہے اس کی عظمت کو قابل دید خیال نہیں کیا جاتا بلکہ آج کا عظیم انسان وہ ہے جو روشن خیال ہے۔

روشن خیال انسان کن کن بنیادوں پر ایک روائتی مذہبی قدیم انسان سے مختلف ہے۔

(Ad Smith) جو ماڈرن اکنامکس کا بابا آدم سمجھا جاتا ہے وہ کہتا ہے روشن خیال عظیم انسان کا روائتی قدیم انسان سے تین طرح کا فرق ہے۔

(۱)۔روائتی عظیم انسان فقیرانہ زندگی گزارتا تھا یعنی سادگی کو اچھا سمجھتا تھا اور خود بھی سادگی سے زندگی گزارتا تھا جیسے سقراط،عیسیٰ علیہ السلام،مریم علیہ السلام،موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہے کہ یہ روائتی عظیم انسان ہیں جو فقیرانہ سادہ زندگی گزارنے کو اچھا سمجھتے تھے،دولت کو قدر نہ جانتے تھے ۔روائتی انسان کسی عظیم اور کمتر سمجھنے کے لئے دولت کو معیار نہ بناتے تھے۔

(۲)۔انکی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کوئی تضاد نہ ہوتا تھا۔

(۳)۔اپنی شہریت وہ جنگ وجدل سے حاصل کرتا تھا کسی ملک کی شہریت اسکا پیدائشی حق نہ ہوتا تھا بلکہ وہ جنگ میں حصہ لیتا تھا جس سے اپنا شہری ہونے کا استحقاق حاصل کرتا۔

عصمت کہتا ہے کہ ہم ایسے انسان کو عظیم انسان نہیں سمجھتے جو آزادی اور دولت کو قدر نہ مانتا ہو اور فقیرانہ زندگی پر راضی ہو ہم اسکو عظیم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ آج کا عظیم انسان وہ ہے جو آزادی اور سرمائے کی قدر مانتا ہو اور دنیا میں لطف اندوز ہوتا ہو۔بہترین فرد کون ہے، جو زیادہ سے زیدہ دولت مند ہو آزاد ہو،لذت اٹھا سکتا ہو وہ معاشرہ بہترین ہے جو زیادہ دولت مند ہو اور انسان کو لطف فراہم کرتا ہو۔آج جب کسی فرد،قوم،معاشرہ یا ریاست میں سے ایک کو دوسرے سے بہتر قرار دیا جاتا ہے تو یہی تین چیزیں بنیاد ہوتی ہے۔آزادی،دولت،لذت۔آج قابل قدر

،آئیڈیل انسان وہ ہے جو یہ تین چیزیں رکھتا ہو۔

یہ بہت بڑی اقداری تبدیلی چیزوں کو پرکھنے یعنی خیر اور شر جاننے کا آلہ ۱۹ صدی میں پیدا ہوئی ۔قدیم انسان اور روشن خیال انسان میں یہی فرق ہے وہ انکو قدر تسلیم کرتا ہے کسی کی عظمت کی دلیل ان چیزوں کو گردانتا ہے۔اگر آپ کسی یونیورسٹی میں جا کر طالب علموں سے کہیں اپنے اپنے ہیرو آئیڈیل لوگوں کے نام لکھ کر دیں تو ان میں سے زیادہ تر طالب علموں کے آئیڈیل فنکار یا کھلاڑی ہونگے اور یہ آئیڈیل اس لئے ہیں کیونکہ یہ آپ کو مزہ دیتے ہیں۔اسی لئے انکو ہیرو سمجھا جاتا ہے جبکہ روائتی قدیم انسان کے ہیرو اور آئیڈیل کو آئیڈیل بنانے کے لئے اس لئے تیار نہیں کیونکہ اس کے پیچھے چلنے سے قربانی دینی پڑے گی وہ مزہ نہیں دے گا بلکہ قربانی مانگے گا۔الغرض اس وقت ہمارے زیر بحث عنوان ہے روشن خیالی،خلاصہ اسکا یہ ہے کہ روشن خیال انسان وہ ہے جو کسی کے معزز یا کم تر ہونے کا معیار دو چیزیں رکھے آزادی اور سرمایا۔جس کے پاس دولت ہے اور آزادانہ اقدار پر یقین رکھتا ہے وہ مہذب انسان ہے اسکو آئیڈیل سمجھا جاتا ہے اور اس جیسا بننے کی ترغیب دی جاتی ہے اور جو آزادی وسرمائے کو قدر (پیمانہ،اصول) نہیں جانتا وہ روشن خیال نہیں ہے۔

فصل السادس سول سوسائٹی تعارف وتجزیہ

سول سوسائٹی کے بارے میں جاننے کے لئے ہم اس مضمون کو چند عنوانات پر تقسیم کرتے ہیں۔

۱)سول سوسائٹی کے قیام کا مقصد اور ابتداء۔

۲)سول سوسائٹی میں عظیم آدمی اور مذہبی معاشروں کا عظیم آدمی۔

۳)مذہب اور خاندان کے بغیر اس معاشرے کو کیسے چلایا جاتا ہے۔

۴)مختلف اداروں کے قیام کے ذریعے معاشرے میں لبرل اقدار کو کیسے تحفظ دیا جانا۔

۵)معاشرتی زندگی پر ایک نظر ۱۸ صدی سے قبل اور ۱۸ صدی کے بعد (سول سوسائٹی)۔

۶)سول معاشرت کی مشکلات پر ایک نظر۔

۷)سول معاشرت سے مذاہب کا انہدام۔

سول سوسائٹی کے قیام کا مقصد

عرصہ قدیم سے انسان اجتماعیت کی شکل میں زندگی گزارتا آیا ہے۔ایک فرد مختلف اجتماعیّتوں میں سے کسی نہ کسی اجتماعیت کا حصہ ہوتا تھا وہ اس خطے کی اجتماعیتیں مذہبی نوعیت کی ہوں یا روایتی اور خاندانی نوعیت کی ،ایک فرد عیسائی ، یہودی ، ہندومت ، اسلام یا کسی اور مذہب کے ساتھ جڑ کر زندگی گزارتا تھا ایک فرد پر کوئی مصیبت یا مشکل آتی تو اس کی اجتماعیت اسکا ساتھ دیتی ،اسی طرح کی صورت حال درپیش تھی ان معاشروں کو جو مذہبی تو نہ تھے مگر پھر بھی کسی نہ کسی اجتماعیت کے ساتھ جڑے ہوتے خاندانی ، برادری ،قومیت یا حسب نسب کی بنیاد پر ،ایک فرد جب کسی پریشانی و مصیبت کا شکار ہوتا تو خادان ، برادری ،قوم کے لوگ اسکی مدد کرتے ۱۸ اصدوی عیسوی تک معاشرے اسی قسم کے تھے۔

ایک انسان جب اپنے معاشرے میں رہتا ہے خواہ وہ مذہبی ہو یا روایتی اس میں کئی طرح کی پابندیاں ہوتی ہیں جو آدمی کی خواہشات کو پورا کرنے میں رکاوٹ کھڑی کرتی ہیں۔مذہبی معاشرت میں کئی طرح کے مذہبی احکام و اخلاقیات ہوتے ہیں جب انکے خلاف کہا جائے تو اہل مذہب اخلاقی طور پر فرد کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ خاص قسم کی معاشرت جو انکے مذہب کے ہم آہنگ ہے اسکے دائرے سے باہر نہ نکلے آدمی کی آزادی کو لامتناہی فروغ دینے کے لئے مذہبی یا روایتی جکڑ بندیوں سے جان چھڑانے کے لئے سول معاشرہ قائم کیا جاتا ہے۔تاکہ اس معاشرے کا خاتمہ کر دیا جائے جو فرد کی آزادی میں حائل ہو اور ایک ایسی معاشرت قائم کی جائے جس میں فرد مطلق العنان آزاد ہو اور فرد اپنے کسی عمل کا جوابدہ معاشرے کے سامنے نہ ہو۔ایک ایسی معاشرت وجود میں لائی جائے کہ فرد جو بھی کام کرے ،کسی بھی عمل کو اختیار کرے ،عمل کی وجہ سے اس کی معاشرتی حیثیت پر کوئی فرق نہ پڑے سول سوسائٹی معاشرت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فرد کی آزادی میں لامتناہی اضافہ دیا جاسکے معاشرتی رکاوٹوں کو دور کیا جاسکے۔

سول سوسائٹی کی ابتداء

سول سوسائٹی کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے ۱۷ صدی عیسوی تک انسان اپنے آپ کو عبد تصور کرتا تھا کہ اس سے بڑی بھی کوئی ذات موجود ہے جس کے سامنے اس کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔ ہر مذہب میں اسکے اپنے اپنے تصورات تھے جن پر لوگ قائم تھے کوئی اعلیٰ ہستی اپنے دیوتاؤں کو قرار دیتا، کوئی خدا کو تو کوئی کرشن کو ہر حال میں انسان اپنے سے اعلیٰ کسی ہستی پر یقین رکھتا تھا ۔ بالفاظ دیگر انسان اپنے آپ کو عبد تصور کرتا تھا کہ کسی مالک کا غلام ہے۔

سترہویں صدی عیسوی میں فلسفہ یونان اور قدیم سائنسی نظریات کے رد ہونے کی بدولت عیسائیت بھی اپنا استحکام کھوگئی کیونکہ اس نے اپنے کئی نظریات وافکار فلسفہ یونان کے ہم آہنگ کیے ہوئے تھے اس نازک شاخ کے ٹوٹنے سے مذہب عیسائیت بھی لوگوں کی نظر میں بے اعتماد چیز بن گیا۔ عیسائی معاشرے صدیوں سے علم ودانش یونانی فلسفہ اور مذہب عیسائیت سے حاصل کر رہے تھے لیکن ۱۷ صدی میں یہ دونوں بنیادیں متزلزل ہوگئیں۔

یہ ایک بڑی وجہ تھی کہ فلسفہ جدید کو عیسائی معاشروں میں قدم جمانے کا موقع ملا یہ بات واضح رہے کہ فلسفہ جدید میں انسان کی حیثیت عبد کی نہیں ہے بلکہ انسان خود اس کائنات کا مرکز ہے یہ خود ایک اعلیٰ حقیقت ہے۔ جس کو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہونا اسی طرح علم وہدایت بھی یہ اپنی ذات سے حاصل کرے گا، کسی غیر سے یعنی وحی سے علم اخذ نہیں کرے گا۔ اولاً سول معاشرت جن علاقوں میں قائم ہوئی انکا تعلق عیسائی مذہب سے تھا، جب مذہب اور روایت کا دائرہ کمزور ہوا تو فلسفہ جدید کی وجہ سے فکری تبدیلی نے افراد کی اجتماعیت کو ایک نیا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ جس پلیٹ فارم پر آ کر ہر انسان مکمل آزادی کے ساتھ کسی معاشرتی رکاوٹ کے بغیر من چاہی زندگی گزار سکتا ہے ،اس پلیٹ فارم کا وجود میں آنا تھا کہ مذہب اور روایت کی جکڑ بندیوں سے تنگ افراد کو یہ معاشرت آئیڈیل نظر آئی جس میں فرد مکمل آزاد ہے اٹھارہویں صدی سے قبل لوگ اپنے دائرہ سے باہر اس لیے نہیں جاتے تھے کہ دوسرا کوئی ان کو برداشت نہ کرے گا اسلیے ان پابندیوں کو قبول کیا جاتا۔

فرد اجتماعیت کو اختیار کیوں کرتا ہے

انجمن نوعیت کی اجتماعیت اور مذہبی اقبع روایتی اجتماعیت میں فرق؟

روایتی یا مذہبی اجتماعیت

یہ اجتماعیت بھی تنہا فرد کو بوقت مصیبت وضرورت امداد کرتی ہے جب ایک فرد پر مشکل وقت آجاتا ہے تو خاندان والے یا اھل مذہب مل کر اس کی مدد کرتے ہیں۔اسطرح کی اجتماعیت فرد کی مدد غرض کی بنیاد پر نہیں بلکہ اخوت کی بنیاد پر کیا کرتی ہے الغرض وجہ جو بھی ہو ان دونوں اجتماعیّتوں یعنی سول و روایتی میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہیکہ سول اجتماعیت محض مالی مفاد کے تحفظ کی بات کرتی ہے، حقوق کی فراہمی کی بات کرتی ہے فرد کی انفرادی اصلاح اور فرد کی انفرادی طرز زندگی کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی،

جبکہ مذہبی اور روایتی اجتماعیت محض مالی مفاد کے لئے ہی بندے کا ساتھ نہیں دیتی بلکہ اس کے علاوہ نجی امور میں بھی بندے کے اخلاقیات پر نظر ہوتی ہے جب اس میں کوتاہی دیکھی جاتی ہے تو پورا مذہبی اور روایتی معاشرہ اس اخلاقی کمی کو پورا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

اس قسم کی اجتماعیت صرف مالی مفاد کا ہی تحفظ نہیں کرتی بلکہ فرد کو اخلاقیات کے دائرہ میں بھی رھنے پر مجبور کرتی ہے جس کی بدولت فرد ایک اچھا شہری بن کر زندگی گزارتا ہے

سول معاشرے کو چلانے والے کلیدی افراد

سول سوسایٹی ڈزائن ہی تنہاء فرد کے لیے کی گئی ہے کہ وہ من چاہی زندگی گزار سکے کوئی بھی اسکی آزادی میں معاشرتی رکاوٹ پیدا نہ کر سکے۔ایک ایسا انسان جس کا نہ مذہب سے لگاؤ ہے نہ خاندان کا نام روشن کرنے سے غرض ہے نہ وہ ان چیزوں کو اہم تصور کرتا ہے تو ایسے انسان کی زندگی تو بے معنی سی ہو کر رہ جائے گی،اب ایسا فرد محنت کرے تو کیوں کرے،؟ کس کیلئے کرے؟

تین طرح کے افراد ان سول لائیز لوگوں کی زندگی میں معنویت پیدا کرتے ہیں،سول معاشرہ میں تین قسم کے افرد کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱) آرٹسٹ: خواب دکھاتا ہے یہ عام ہے کہ آرٹسٹ شاعری یا ناول نگاری کی شکل میں فلم یا ڈرامہ بنا کر خواب دکھاتا تھا ہے زندگی میں معنوت پیدا کرتا ہے

(۲) مینیجر: ان لامتناہی خواہشات کو کس طرح پورا کیا جائے ان کے حصول میں کامیابی کیسے ممکن ہے یہ بات بتائیگا مینیجر تم اپنی خواہش کو سرمائے کے حصول کے بغیر پورا نہیں کر سکتے. اس لیے اگر تم خواہش پورا کرنا چاہو تو اول سرمایا حاصل کرو، سرمائے کے حصول کا طریقہ بتاتا ہے،

زیادہ خواہش = (زیادہ پریشانیاں) = زیادہ ناکامیاں

کم خواہش = (کم ناکامیاں) = اور کم پریشانیاں

(۳) تھراپسٹ: سول سوسائٹی میں تیسرا اہم رول تھراپسٹ ادا کرتے ہیں جب ایک فرد اپنی خواہشات کی تکمیل میں ناکامیوں کا سامنا کرتا ہے اور کئی ناکامیوں کا احساس فرد کو بسا اوقات نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے تھراپسٹ کا کام یہ ہوتا ہے کہ ان ناکامیوں کو برداشت کرنے کا متحمل بنائے اور اس کو ٹیکنیک بتائے جس سے اس کا ذھنی دباؤ کم ہو اور پھر سے بھرپور انداز سے کام میں لگ جائے

سول سوسائٹی کی مشکلات اور اداروں کا قیام

جو سول معاشرہ کو فروغ میں مدد دیتے ہیں

سول معاشرت میں اخلاقیات کے فقدان کے خلا کو پر کرنے کا ادارہ

(۱) میڈیا

(۲) سول سوسائٹی کے استحکام کیلئے ادارے

(۳) خاص طرز کا نصاب تعلیم

(۴) اولڈ ہاؤس

(۵) پارلیمنٹ

(۶) دارالامان

(۷) یتیم خانہ

(۸) خودکشی سینٹر

(۹) شادی ہال

(۱۰) ہوٹل اینڈ گیسٹ ہاؤس

مذہبی اور سول معاشرے کی قانون سازی میں فرق:

۱)۔ ہر معاشرے میں کچھ کاموں کو بہت لازمی اور اہم سمجھا جاتا ہے کہ ان کو انجام دیے بغیر معاشرہ تباہی کا شکار ہو جائے گا۔ ان امور کو قانون کا درجہ دیا جاتا ہے

۲) کچھ کام ہوتے تو لازمی اور ضروری ہیں مگر ان کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوتی ہے، ایسے امور قانون کی شقوں میں داخل نہیں کئے جاتے یعنی ان پر عمل حکومت کرواتی نہیں بلکہ وہ معاشرہ کرواتا ہے جس میں فرد زندگی گزار رہا ہوتا ہے معاشرے کے افراد اخلاقی طور پر مجبور کرتے ہیں کہ ان حقوق کی ادائیگی کی جائے وگرنہ لعنت و ملامت کرتے ہیں۔

۳)۔ تیسری قسم کے کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جن کے کرنے پر حکومت مجبور کرتی ہے ہم قانون کہہ سکیں اور نہ معاشرہ مجبور کرتا ہے جسے ہم اخلاق کا نام دے سکیں، بلکہ ایک فرد کا مطالبہ ہوتا ہے اگر کام نہ کیا جائے تو صرف ایک ہی فرد برہم ہو گا ناراض ہو گا۔ اس کو ہم نام دینگے آداب کا، الغرض معاشرے میں تین طرح کے حقوق ہوتے ہیں جن کا نقشہ یوں بنے گا،

(۱) قانون = پر عمل کرائے گی حکومت
(۲) اخلاقیات = پر عمل کرواتا ہے معاشرہ
(۳) آداب = پر عمل کرواتا ہے فرد

سول سوسائیٹی میں مستقل اور مسلسل قانون سازی کا عمل جاری رہتا ہے اور نت نئے قانون وجود میں آتے ہیں مغربی مفکریں اس صورت حال سے پریشان ہیں۔ سول سوسائیٹی میں اسلامی اقدار باقی نہیں رہ سکتا۔

سول سوسائیٹی کے جب قصیدے پڑھے جاتے ہیں تو مذہبی افراد کو مطمئن کرنے کیلئے یہ بات دھرائی جاتی ہے س کہ سول معاشرت میں ہر فرد آزاد ہوتا ہے کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہوتی جو چاہے جس قدر چاہے عبادت کرے، روزے رکھے، تلاوت کرے، آپ کی آزادی کو مکمل تحفظ دیا جاتا ہے آپ کی ہر رکاوٹ کو دور کیا جاتا ہے جو بھی دین دار بننا چاہے اس کے لیئے دین اختیار کرنے کے زیادہ مواقع موجود ہوتے ہیں الفاظ کا ایسا تانا بانہ بنایا جاتا ہے کہ عام انسان محسوس کرتا ہے کہ سول سوسائیٹی شاید اسلامی معاشرت کی شکل ثانی ہے جس میں اسلام پر عمل کرنے سے بالکل روکا نہیں جاتا، یہ بندے کا اپنا قصور ہے اگر عمل نہ کرے

حقیقت یہ ہے کہ: تناظر کے بدل جانے سے فکر بدل جاتی ہے اور فکری تبدیلی سے عمل میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ چیزوں کو جس تناظر میں دیکھا جاتا ہے اسی اعتبار سے اس کی درجہ بندی کی جاتی ہے اعلیٰ کیا ہے ادنی کیا ہے اہم کیا ہے غیر اہم کیا ہے تناظر کے بدل جانے سے اہم امور غیر اہم نظر آنے لگتے ہیں اور غیر اہم کام نہایت ضروری معلوم ہوتے ہیں تناظر کے بدل جانے سے فکر سوچ بدل جاتی ہے، قدر یعنی ایک زمانہ تک جس بات کو علم تصور کیا جاتا ہے تناظر کے بدل جانے سے وہ علمی بات جہالت معلوم ہوتی ہے۔

برصغیر کے مذہبی وروایتی معاشروں میں تبدیلیاں:

سول سوسائیٹی ہمارے معاشرے کا ایک خواب ہے جو ابھی تک مکمل طور پر پورا نہیں ہوا مگر تبدیلیاں ضرور رونما ہوتی ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا مثلاً عورتوں کے حجاب کے متعلق ہی دیکھ لیں کہ حجاب پر مذہبی معاشروں میں تو زور اس لیے دیا جاتا ہے کہ مذہب بے حیائی اور عریانی سے منع کرتا ہے سرف ہی نہیں جو مذہبی یھی نہ تھے پھر بھی حجاب پر زور دیتے تھے اس لے کہ شریف خاندان اور عزت ووقار والے لوگ انکی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ ان کی عورتیں بے حجاب بازاروں میں نکلیں۔ بھرحال آج سے تیس یا چالیس سال قبل کی صورت حال سامنے رکھیں اور آج

کل کی صورت حال سامنے رکھیں تو نمایاں تبدیلیاں ظاہر ہونگی ،۔اس وقت غیر مذہبی آدمی بھی عورت کو ہاف بازو پہنا کر برہنہ آنے دیتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے اور آج کل ٹیلی ویژن پر بیٹھ کر برملا کہہ دیا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث سے ہم نے یہی سمجھا ہے۔کہ یہ حکم خاص تھا ازواج مطہرات کے لیے مسلمان عام عورتوں کے لیے نہیں ہے

اسی طرح آدمی اپنا ماحول بدل لیتا ہے تناظر تبدیل کرلیا ہے تو پھر اس کو پہلے تو وہ باتیں جو ایمان کو تازا کر دیا کرتی تھیں نامانوس سی معلوم ہوتی ہیں پھر اسکی آنے والی نسلیں کہتی ہیں ناممکن سی بات ہے شاید ایسے ہو گیا ہو،اس سے جو اگلی نسل آئے گی آدھی تو کہہ دے گی کہ یہ مولویوں کی باتیں ہیں ہم یقین نہیں کرتے اور بعض اس میں شک کریں گے۔

(۱۲) ترقی کا معنیٰ ،اسلام اور مسلمانوں نے انسانی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟

فصل السابع ،ترقی (devolpmant)

آزادی مساوات کے علاوہ ایک تیسرا اصول (ترقی) ہے جس کیلئے اہل مغرب کسی امر کے صحیح وسقیم کا اندازہ لگائیں گے آزادی مساوات اور ترقی کو اصول کے بجائے عقیدے کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے ہر کام میں وہ دیکھیں گے کہ ان تین میں سے کسی پر زد تو نھیں آرہی اگر آزادی پر زد ہے تو وہ کام بھی انکے نزدیک صحیح نہیں اگر مساوات کے خلاف ہے تو بھی صحیح نہیں اور اگر کوئی کام ایسا ہے جس سے مادی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو وہ بھی قابل برداشت نہیں ہے۔انکے تمام قوانین اور اسکی تمام شقیں انہی بنیادوں کو دیکھ کر تیاری کی جاتی ہیں ،مادی ترقی (سرمایہ میں اضافہ) بھی ایک قدر (پیمانہ) ہے(devolpmant) ترقی درحقیقت آزادی کی ہی ایک مادی شکل ہے۔آزادی کے حصول اور علاقیہ الوہیت میں اپنی ہر چاہت پر عمل کرنے کی صلاحیت زر سے ہی ممکن ہے۔گویا کہ آزادی ایک مادی وجود سرمایہ ہے۔اسی کے حصول میں ترقی کرنا (devolpmant) کہلاتا ہے۔یعنی اپنی خواہشات کی تکمیل مال ودولت کے بغیر ممکن

نہیں اور مکمل آزدی کے حصول کی زرودولت کے سوااور کوئی شکل نہیں ہے تو معلوم ہوا انسان کی آزادی کا ترقی کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ لہذا جس کے پاس جس قدر دولت ہوگی وہ آدمی اس قدر آزاد سمجھا جائیگا اور مغربی فلسفہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ انسانیت کا کمال اور انسانیت کی معراج یہ ہے کہ وہ مکمل آزادی موقوف ہوئی سرمایہ پر اور لامحالہ سرمایہ کا طلب کرنا ہی انسان کا اعلیٰ ترین مقصد قرار پایا۔ (وزٹنگ کارڈ) یہ نظری تبدیلی سترویں صدی میں رونمائی ہوئی اور مغرب میں بڑی تیزی سے پھیل گئی اور پھر آہستہ آہستہ مشرقی مما لک میں بھی پھیل گئی۔ اسی نظریہ کا اثر ہے کہ آج کل دنیا بھر میں صدر وزیر اعظم کے ساتھ ساتھ وزیر تجارت اور معاشیات کو بھی خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ مفتی اعظم کو آج وہ اہمیت حاصل نہیں جو ۷ اصدی سے قبل عیسائیت میں پوپ کو حاصل تھی اور اوائل اسلام میں مذہبی طبقہ کو حاصل تھی۔ کیونکہ اس وقت سب کا مطمع نظر دنیا کے علاوہ کوئی اور تصور بھی تھا کہ آخرت میں کیا کریں گے اس کے متعلق رہنمائی اپنے مذہبی گروہوں سے لیتے تھے۔ وگرنہ اس کا لفظی معنیٰ ہے بڑھنا۔ سوال یہ ہے کہ کس جانب بڑھنا ترقی کہلائے گا۔ اہداف کی تبدیلی ترقی کے معنیٰ میں تبدیلی پیدا کرتا ہے وگرنہ ترقی پزیر اور ترقی یافتہ مما لک کے مابین کیا پیمانہ ہے جس سے ترقی ناپی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ نبی پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق خیر القرونی قرنی کا معنی و مصداق آپ ﷺ کا ہی زمانہ ہے۔ کیونکہ عبد اور معبود کا تعلق اس قدر مظبوط تھا کہ اللہ کا عرش سے پیغام آجاتا ایسا زمانہ پہلے آیا ہے نہ بعد میں آئے گا۔ اس لئے کہ خدا نے نبوت کو ہمارے نبی پر ختم کر دیا ہے۔ اور اب خدا سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ جو کہ کبھی بھی بحال نہیں ہوگا۔ آخری پیغام اور شریعت ہمیں دی جا چکی۔

ترقی باین معنیٰ (معرفت الٰہی) تو محدثین، فقہاء امت کی کاوشیں عظیم کارنامے محسوس ہونگے۔ اور اگر آج کے بدلے ہوئے پیمانے سے چیک کروگے۔ انکے کارنامے عبث اور بیکار، وقت کا ضیاع محسوس ہونگے۔۔۔۔ غرض سائنس دانوں، معاشیات کے ماہروں کو جو اہمیت حاصل ہے کسی مذہبی منصب کو حاصل نہیں کیونکہ معشیت دان تو ترقی کا طریقہ بتایا جائیگا

جس سے تجارت کو فروغ ملیگا۔اور جو روپیہ حاصل ہوگا جو کہ آزادی کی مادی شکل ہے جبکہ اسکے مقابلے میں مذہبی تعلیم کے ماہر کی قدر نہیں کیونکہ وہ ایسی چیز کا دعوے دار ہے جس کا ترقی سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ بلکہ دنیا سے بے رغبتی کی دعوت دیتے ہیں۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے "کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل" دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی اجنبی یا مسافر رہتا ہے اب یہ تھیوری اس معاشرے کو کیسے ہضم ہوسکتی ہے جن کیلئے دنیا ہی جنت ہے اور آخرت کچھ بھی نہیں،

فصل الثامن جمہوریت کا تعارف و تجزیہ۔

"governmint of the people by the people for the people"

یہ حکومت ہے عوام کی، روام کے زریعے سے،اور عوام کے لئے۔سب انسان برابر ہیں مرد ہو، عورت ہو،مسلمان ہو یا کافر ہو۔آزادی سے قانون سازی کرنے کا اختیار، دئے جانے کا ایک نظام ہے

اسلامی نظام حکومت اور جمہوریت میں بنیادی فرق:

جمہوریت میں طاقت کا سر چشمہ عوام ہے سپر اتھارٹی عوام کو حاصل ہے(من حیث المجوع)عوام مل کر جس چیز کو چاہیں جائز قرار دیں جس کو چاہیں ناجائز قرار دیں۔جو چاہیں قانون بنالیں۔جبکہ اسلام میں طاقت کا سر چشمہ عوام نہیں بلکہ خدا ہے سپر اتھارٹی اللہ ہے۔صحیح کیا ہے غلط کیا ہے عوام یا پارلمنٹ کے نمائیندے طے نہیں کریں گے اللہ جل جلالہ طے کریں گے۔۔حکومت صرف نافذ کرے گی۔

مثال:

مسلمان کسی غیر مسلم شخص کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کر سکتے کیونکہ شریعت اسکی اجازت نہیں دیتی ۵۱ فیصد مسلمان تو کیا ۸۰ بھی مل کر اس کو اپنا خلیفہ بنانا چاہیں تو یہ مسلمان کا خلیفہ نہ بنے گا کیونکہ اللہ نے

حکم دیا ہے کہ خلیفہ مسلمان ہونا چاہئے۔ کافر خلیفہ اسلئے خلیفہ نہیں بن سکتا کہ سپر اتھارٹی نے اسے قبول نہیں کیا، جبکہ جمہوری نظام میں طاقت کا سرچشمہ سپر اتھارٹی عوام ہے اگر ۵۱ فیصد مسلمان مل کر کسی کو اپنا امیر مقرر کر لیتے ہیں تو جمہوری نظام کی بدولت وہ حاکم بن جائیگا۔ کیونکہ اس نظام میں طاقت کا سرچشمہ (اتھارٹی) عوام ہے جس کو چاہیں امیر مقرر کرے۔ جب طاقت کا سرچشمہ عوام ہے تو قانون کیا ہوگا کس کو سزا دینی ہے کتنی دینی ہے۔ یعنی قانون بنانے کا کام عوام کریگی جسکی شکل یہ ہوگی کہ یہ اپنے نمائیندوں کو پارلیمنٹ بھیجیں گے وہ قانون سازی کریں گے۔ عوامی رائے کیساتھ۔ جبکہ اسلام طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں ہے بلکہ سپر اتھارٹی خدا ہے وہی قانون مقرر کریگا۔ وہ ہی بتائیگا کہ کس کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ کس کے کیا حقوق ہیں۔ فقہ اسلامی کو خدائی قانون کی مرتب شدہ شکل کہا جاسکتا ہے۔ کس کے لئے کیا حکم ہے مرتب انداز میں درج ہے سینکڑوں سال مسلمان اس قانون پر عمل کرتے رہے ہیں۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ جمہوریت میں ایک انسان کی حیثیت یہ ہے کہ قدرت سے عقل کے پالینے کے بعد پھر بھی کسی خارجی طاقت، خدا، رسول، قرآن یا کسی اور ذریعہ سے اپنی زندگی کے بارے میں کمانڈ حاصل کرتا ہے۔ کسی اور سے اپنے رہنے سہنے کے اصول طے کرتا ہے تو یہ بڑی شرم کی بات ہے، اسکو ان چیزوں سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ خود طے کریگا کہ اس نے کیسے رہنا ہے۔ عوام کی اجتماعی رائے سے قانون بنانے کے طریقے کو جمہوریت کہتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ اجتماعی معاملات میں انسان کی چاہت کے مطابق طریقہ زندگی طے کرنے کا نام جمہوریت ہے اسی عوامی رائے کو حاصل کرنے کے لیے ووٹ لئے جاتے ہیں۔ پارلیمنٹ بنائی جاتی ہے ووٹ کا حق مرد و عورت و مسلم غیر مسلم و یہودی و عسائی، عالم جاہل سب کو برابر ملے گا۔ کیونکہ عقل کی وجہ سے مرد عورت مسلم کافر سب برابر ہیں۔ ان بنیادوں کو سامنے رکھ کر جب اس نظام کی طرف دیکھا جائے تو بغیر کسی الجھن کے یہ سارا سسٹم سمجھ میں آجائیگا۔ حق کو باطل

سے الگ کرنے میں مدد ملے گی۔بعض حضرات کا کہنا ہیکہ جمہوریت میں اصل مسئلہ صرف اور صرف یہ ہیکہ اسمیں حاکمیت مطلق خدا کی بجائے عوام کوتسلیم کیا جا تا ہے اس لیے یہ اسلامی نہیں ہے لہٰذا ہم طے کرلیتے ہیں کہ حاکم مطلق اللہ ہی ہے عوام نہیں ہے اب تو کفر یہ تخم کی ہی بیخ کنی ہوگئی ۔لہٰذا اسکو اسلامی جمہوریہ تسلیم کیا جانا چاہئے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اپنے کو مطمئن کرنے کے لئے باتیں ہی ہیں۔وگرنہ اپنے انجام وحقیقت کے اعتبار سے اس سسٹم میں عملا حاکمیت مطلق عوام ہی کی رہتی ہے

بنیادی اختلاف:

عملی طور پر مرکزی اختلاف جمہوریت اور اسلامی طرز حکومت میں اس بات کا ہوتا ہے کہ اسلامی طرزحکومت میں خیر (حکم خدا) کونافذ کیا جاتا ہے جس سے حقوق خود بخود ادا ہو جاتے ہیں جبکہ جمہوریت میں عملا آدمی خیر کی تخلیق وتفسیر کا حق رکھتا ہے نیتجتاً کوئی چیز خیر نہیں رہتی اور سیاست کا نظام حقوق کی بنیاد پر چلنا ہے۔بنیادی اختلاف یہی ہیکہ جمہوریت میں عملا حقوق کونافذ کیا جاتا ہے خیر کونافذ نہیں کیا جاسکتا جبکہ اسلامی حکومت میں خیر کونافذ کرنا اولین مقصد ہوتا ہے۔جب بھی لوگوں کے حقوق کا تضاد احکام الٰہی سے ہوگا تو ترجیح احکام الٰہی کو ہوگی۔

فصل التاسع ہومین رائیٹس کا تعارف وتجزیہ

حقوق انسانی کا عالمی منشور

عبد اور انسان کا فرق: عبد اور انسان میں بنیادی نوعیت کا فرق ہے عبدیت خدا کے وجود کا اقرار ہے اور انسانیت اپنے وجود کو حقیقت تسلیم کرنے کا اظہار ہے۔(Human Rights) اپنے کو خدا قرار دینے کا فلسفہ ہے۔

ہومین رائیٹس چارٹر کی تاریخ:

بنیادی حقوق کا منشور امریکی صدر روزویلٹ کی اہلیہ ایلینا روزویلٹ کے قلم

سے تحریر ہوا تھا بنیادی حقوق کا منشور پہلے اخبارات میں چھاپا گیا اور آئینی مباحث پر زبردست بحث چھیڑی گئی اخبارات کے یہ مضامین فیڈرلسٹ پیپر کے نام سے مشہور ہوئے پھر انہی پیپروں سے قومی اسمبلی کے مقرر کردہ ممبروں نے انسانی حقوق کا چارٹر تیار کر کے اقوام متحدہ کو پیش کیا بنیادی حقوق کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ کہ انسانی حقوق میں دیے گئے عام حقوق مطلق ہیں اس میں کوئی If اور But نہیں ہے۔ اگر مگر کی تفصیل سے بالاتر ہے اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ مغربی ایمانیات وعقائد کا حصہ ہے اس میں لفظا اور عملا کسی قسم کی کمی پیشی کی اجازت نہیں۔

انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ 1948ء:

اقوام متحدہ نے فروری 1946ء میں 53 ارکان پر مشتمل انسانی حقوق کا کمیشن قائم کیا اس کمیشن کی ذمہ داری یہ تھی کہ ایک ایسا مسودہ تیار کر کے جنرل اسمبلی کے سامنے پیش کرے جو تمام ارکان ممالک کی مذہبی روایات سیاسی نظریات قانونی نظام اقتصادی معاشرتی اور ثقافتی طور طریقوں میں تفاوت پائے جانے کے باوجود ان کے لئے قابل قبول ہو کمیشن نے انسانی حقوق کا مسودہ تیار کیا اور جنرل اسمبلی کو پیش کیا اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں 10 دسمبر 1948 کو منظور کیا گیا۔

اس کو انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ کے نام سے موسوم کیا گیا اور تمام رکن ممالک سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنی اقوام کو بلا امتیاز اس اعلامیہ اور منشور میں دے گئے تمام معاشرتی سیاسی اور معاشی حقوق دیں اور ان حقوق کی حفاظت کریں۔

احکام اور حقوق میں فرق

اسلام ایک عالمگیر دین ہے جس میں مکمل ضابطہ حیات ہے ہر ایک کیلئے مسائل واحکام طے ہیں اور ہر انسان اور اس کے گردونواح میں موجود چیزوں کے حقوق مقرر ہیں مگران کی حیثیت اور ہے اور مغرب جب کسی حق کو ثابت کرتا ہے تو اس کی حیثیت میں فرق ہے

اسلام میں احکام (فرائض) نافذ کیے جاتے ہیں جس سے ہر ایک کو احسن طریقہ سے حق خود بخود مل جاتا ہے الگ سے حقوق کی فہرست تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے نہ اس کے مطالبے کی ضرورت پیش آتی ہے بلکہ ایک حکم کے بجالانے سے ہی کئی حقوق خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ اصل نافذ کرنے کی چیز احکام و فرائض ہوتے ہیں تمام سلف و خلف کا طریقہ کار اور مکمل انسانی تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بطور قانون نافذ ہونے والی چیز احکام ہوتے ہیں نہ کہ حقوق۔ کتب فقہہ میں بھی احکام کو تفصیلی طور پر بیان کیا جاتا ہے اسلامی فقہہ ہی اسلامی قانون ہے۔

اگر حقوق کا ذکر کیا بھی جائے تو وہ اخلاقی پہلو سے قابل عمل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے مثلا والدین کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب دی جائے گی نافرمانی کرنے والے کو وعید سنائی جائے گی۔ اس کو اخلاقی طور پر مجبور کیا جائے گا اور سمجھایا جائے گا کہ والدین کی خدمت کرے۔ لیکن اس حق تلفی کیوجہ سے اس کو تعزیر کرنا سزا دینا جیل میں رکھنا یا اس جیسی کوئی اور سزا دینا یہ اسلامی طرز عمل نہیں۔

لیکن مغرب میں احکام نام کی کوئی چیز نہیں ہے جس کو قانون بنا کر نافذ کر سکیں اس لئے کہ وہ تمام اعلی اتھارٹی کا انکار کر چکے ہیں۔ خیر اور شر کسی اور ہستی یعنی خدا سے طے کروانے کی بجائے ہر بندہ خود خیر اور شر کا تعین کرے گا۔ جب ہر ایک کو اختیار ہے تو در حقیقت خیر کوئی چیز نہ رہے گی ہر طرف مطلق العنانی ہوگی کیونکہ کوئی آدمی کسی بات کو خیر قرار دے گا دوسرا اس کے برعکس نظریات و کردار کو خیر اور حق قرار دے گا اس لئے وہ اخلاقیات کو بطور قانون نافذ کرنے پر مجبور ہیں۔

ایک نظر انسانی حقوق کے عالمی منشور پر

(یہ عالمی منشور بعینہ نقل کیا جا رہا ہے)

تمہید:

چونکہ ہر انسان کی ذاتی عزت اور حرمت انسانوں کے مساوی نا قابل انتقال حقوق کو تسلیم کرنا دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہے چونکہ انسانی حقوق سے لاپرواہی اور ان کی بے حرمتی اکثر

ایسے وحشیانہ افعال کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے جن سے انسانیت کے ضمیر کو سخت صدمے پہنچے ہیں اور عام انسانوں کی بلند ترین آرزو یہ رہی ہے کہ ایسی دنیا وجود میں آئے جس میں تمام انسانوں کو اپنی بات کہنے اور اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہو خوف اور احتیاج سے محفوظ رہیں چونکہ یہ بہت ضروری ہے کہ انسانی حقوق کو قانون کی علمداری کے ذریعے محفوظ رکھا جائے اگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ انسان عاجز آ کر جبر اور استبداد کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہوں چونکہ کہ ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو بڑھایا جائے چونکہ اقوام متحدہ کی ممبر قوموں نے اپنے چارٹر میں بنیادی انسانی حقوق انسانی شخصیت کی حرمت اور قدر مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کے بارے میں اپنے عقیدے کی دوبارہ تصدیق کردی ہے اور وسیع تر آزادی کی فضا میں معاشرتی ترقی کو تقویت دینے اور معیارِ زندگی کو بلند کرنے کا ارادہ کرلیا ہے چونکہ ممبر ملکوں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے اشتراکِ عمل سے ساری دنیا میں اصولاً اور عملاً انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں گے اور کرائیں گے چونکہ اس عہد کی تکمیل کے لئے بہت اہم ہے کہ ان حقوق اور آزادیوں کی نوعیت کو سب سمجھ سکیں لہٰذا جنرل اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ انسانی حقوق کا یہ عالمی منشور تمام اقوام کے واسطے حصول مقصد کا مشترک معیار ہوگا تا کہ ہر فرد اور معاشرے کا ہر ادارہ اس منشور کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیم و تبلیغ کے ذریعے ان حقوق اور آزادیوں کا احترام پیدا کرے اور انہیں قومی اور بین الاقوامی کاروائیوں کے ذریعے ممبر ملکوں میں اور ان قوموں میں جو ممبر ملکوں کے تحت ہوں منوانے کے لئے بتدریج کوشش کرسکے

دفعہ 1: تمام انسان آزاد اور حقوق اور عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں انہیں ضمیر اور عقل و دیعت ملی ہے اس لئے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیئے

دفعہ 2: ہر شخص تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت، یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا

ہے اسکی سیاسی کیفیت دائرۂ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختیار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی بندش کا پابند ہو

دفعہ 3: ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق حاصل ہے

دفعہ 4: کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا غلامی اور بردہ فروشی چاہے اسکی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع قرار دی جائے گی

دفعہ 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ، انسانیت سوز، یا ذلیل سلوک سزا نہیں دی جائے گی

دفعہ 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے

دفعہ 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پالینے کے برابر حقدار ہیں اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا جس تفریق کے لئے ترغیب دی جا ئے اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حق دار ہیں

دفعہ 8: ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں با اختیار قومی عدالتوں سے مؤثر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق حاصل ہے

دفعہ 9: کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند، یا جلا وطن نہیں کیا جائے گا

دفعہ 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقے پر ہو

دفعہ 11: ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے یا بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جا چکا ہو۔ کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بنا پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ما

خوذنہیں کیا جائے گا

دفعہ 12: کسی شخص کی نجی زندگی یا خانگی یا گھر بار یا خط وخطابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے، ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے

دفعہ 13: ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو۔ ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے

دفعہ 14: ہر شخص کو ایذارسانی سے دوسرے ملکوں میں پناہ ڈھونڈنے اور پناہ مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا جو خالصاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف ہیں

دفعہ 15: ہر شخص کو قومیت کا حق ہے کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کو قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا

دفعہ 16: بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل قومیت یا مذہب کی بناء پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے، مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہوگا۔

خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔

دفعہ 17: ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائیگا۔

دفعہ 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہب رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔:

دفعہ 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کیے علم اور خیالات کی تلاش کرے۔ انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

دفعہ 20: ہر شخص کو پر امن طریقے پر ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے کیلئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے مرزا کادیانی زلزلوں کی دھمکیوں سے عوام کو ہراساں کر کے اپنی انجمن میں شامل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

دفعہ 21: ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر حق ہے۔

عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔

یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہونگے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریق رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی کہ وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرے جو اس کی عزت اور شخصیت کے آزادانہ نشو و نما کیلئے لازم ہیں۔

دفعہ 23: ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخابات کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور

بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کیلئے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول معاشرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کیلئے باعزت زندگی کا ضامن ہو، اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذرائع سے اضافہ کیا جا سکے۔

ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کیلئے تجارتی انجمنیں قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے کہ جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

دفعہ 25: ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کیلئے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات شامل ہیں اور بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا یا ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے.

دفعہ 26: ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے، تعلیم مفت ہوگی، کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں، ابتدائی تعلیم جبری ہوگی، فنی پیشاوارانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنیاد پر اعلی تعلیم حاصل کرنا سب کیلئے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی، وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کیلئے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائیگی والدین کو اس بات کے انتخاب کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائیگی۔

دفعہ 27: ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور اس کی

ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفاد کا بچاؤ کیا جائے جو اسے ایسے سائنسی، علمی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں پیش کر دیے گئے ہیں۔

دفعہ 29: ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو نما ممکن ہے۔

اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کیلئے قانون کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔

یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ 30: اس کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشاء ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

فصل العاشر علوم وحی اور سائنس

علوم وحی اور سائنس کی حقیقت:

اسلام کے اثبات یا رد میں سائنس سے دلائل دینا

سائنسی منہاج میں علم کی تعریف

سائنٹیفک میتھڈ کیا ہے؟

عصر حاضر میں ایجادات کا سیلاب کیوں

ایک منہاج العلم سے دوسرے علم کی توثیق یا تردید

اسلامی علمیت یا احکام ومسائل کی آفاقی دلیل

جس طرح ہر معاشرے میں اپنے اقدار ہوتے ہیں یعنی چیروں کو ناپنے کے پیمانے ہوتے ہیں مثلا عیسائیت جس معاشرت پر زور دے گی اس میں قدر بائبل ہوگی مسلمان جس معاشرت پر زور دیں گے اس معاشرے میں کیا صحیح ہے کیا غلط ہے کیا اعلی ہے کیا ادنی ہے اسکے بارے میں جانیں گے وہ قرآن وسنت سے یعنی قدر قرآن وسنت ہوں گے ہندوازم میں اقدار اسی نوعیت کی ہوں گی اسی طرح سوسائٹی میں اقدار مختلف نوعیت کی ہیں اقدار سے ہی طے کیا جاتا ہے کیا چیز ادنی ہے اور کیا چیز اعلی ہے اور کیا غیر اہم معاشرہ جس چیز کو بھی اعلی قرار دے اس چیز کے بارے میں جاننے کو علم کہا جاتا ہے اور وہی لوگ تعلیم یافتہ اور علم والے شمار ہوتے ہیں اس لیے جو شخص معاشرے میں طے شدہ اعلی چیز کے بارے میں معلومات نہیں رکھتا وہ فرد تعلیم یافتہ شخص نہیں سمجھا جاتا اس کو علم سے نا آشنا قرار دیا جاتا ہے

معاشرت کے بدلنے سے اہم کیا ہے اور غیر اہم کیا ہے ان تصورات میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے یہی اہم اور غیر اہم کا نظریہ طے کرتا ہے کہ علم کیا ہے مسلمان معاشرت میں علماء ان کو کہا جائے گا جو قرآن وسنت کا علم رکھتے ہیں

جب تک مسلم معاشروں کا ہدف اول خدا کی رضا حاصل کرنا تھا تو اہل علم صرف وہی افراد کہلاتے تھے جو یہ بتاتے کہ اس کام سے خدا راضی ہوگا اور اس سے ناراض ہو سیکولرازم یا لبرل ازم جب وار کرتا ہے تو اس کا نشانہ سب سے پہلے اس بات پر آ کر لگتا ہے کہ اہداف کی ترتیب بدل جاتی ہے جس سے علوم کی ترتیب بھی بدل جاتی ہے اسکا عملی اظہار ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جس اہمیت کی نظر سے سائنس دان بنک منیجر انجینئر کو دیکھا جاتا ہے مولوی صاحب کو نہیں دیکھا جاتا بعض لوگوں نے اس

کا حل یہ نکالا کہ عصر حاضر کے انسان چونکہ بہت ترقی کر چکے ہیں ان کے اہداف و مقاصد زندگی بدل گئے ہیں اس کے نتیجے میں علم کے پیمانے بھی تبدیل ہو گئے ہیں لوگ سائنس کو ایک مسلمہ اصول کے طور پر قبول کرتے ہیں سائنس طریقے سے دی گئی دلیل آفاقی نوعیت کی دیتے ہیں اس آفاقی دلیل کے چکر میں اسلام اور سائنس کے عنوان پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس قسم کی آفاقی دلیل کی دھوکے میں کئی مذہبی افراد اپنا وقت صرف کر رہے ہیں اور یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ سائنس اور اسلام قدم بقدم ہیں تم سائنس کو تو جانتے ہو اسلام کو بھی مان لو ایک مسلمہ اور محکم اصول کے طور پر سائنسی علوم کو معیار بنایا جاتا ہے اور جزئیات اسلام کی ان کے ساتھ ہم آہنگی دکھا کر اسلام کے جواز پر دلیل قائم کی جاتی ہے

اسلام کے اثبات یا رد میں سائنس سے دلائل دینا

کمزور دلیل مضبوط ترین موقف کو بھی کمزور ترین کر دیتی ہے اسی تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس مذہب یا مذہبی مسائل کے لئے دلیل بن سکتی ہے یا بات کو جاننے سے قبل ہم سائنس کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ علم سائنس کیا ہے سائنس کس چیز کو ذریعہ علم تسلیم کرتی ہے قدیم اور جدید سائنس میں کیا فرق ہے صرف ان دو سو سالوں میں ہی سائنس نے ایجادات کا انقلاب برپا کیوں کیا اس سے قبل سائنس دان اپنے فن میں امام ہونے کے باوجود ایجادات میں انقلاب نہ لا سکے قدیم سائنس اور ٹیکنو سائنس میں مابعد الطبعیاتی کیا فرق ہے اور اس بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے اپنے مذہب کو اپنے زمانے کے سائنسی نظریات سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا تھا تو انہوں نے کس قدر خسارہ اٹھایا اور مذہبی عقائد و نظریات اس حرکت کی بدولت کیسے تضحیک کا نشانہ بنے سائنسی نظریات بدل جانے کے بعد مذہب بے حیثیت ہو کر رہ گیا ہمارے دور میں چونکہ علم سائنس اور ٹیکنالوجی کو بڑی اہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور کچھ لوگوں کا تو خیال ہے کہ مذہب سائنس کے بغیر اندھا ہے (نعوذ باللہ) قرآن و حدیث پر یا مسائل شرعیہ پر سائنسی منطقی عقلی دلائل دینے سے پہلے ایک نظر ہم ان معاشروں پر ڈالتے ہیں جنہوں نے

صدیوں پہلے یہ تجربہ کیا تھا پھران کا کیا حال ہوا280ق،م سے لے کر پندرہویں صدی تک فلسفہ وسائنس اورعیسوی مذہب کا آپس میں اجماع تھا کہ زمین ساکن ہے،اور دیگرنظریات میں بھی یہ تینوں ایک دوسرے کےہم آہنگ ہوکرچل رہے تھے۔

عیسائیت نے اپنے استحکام کے لئے کچھ دیر عارضی فائدہ حاصل کرلیا کہ اپنے اثبات اور جواز کی دلیل فلسفیانہ منہاج علم اور سائنسی طرز استدلال سے قائم کی اس نے مذہبی منہاج العلم کوفلسفیانہ، سائنسی اور منطقی یونانی علوم کے منہاج سے مخلوط کرلیا۔حالانکہ دینی علم کا منہاج فلسفیانہ یونانی علوم کے منہاج سے یکسر مختلف تھا۔عیسائیوں کی اس مخالطت کے بعد مذہبی طرز استدلال دینی منہاج علم کی بجائے سائنسی ویونانی منہاج علم مقبول ہوا فلسفہ یونان اور قدیم سائنس مذہب میں مکمل طور پر داخل ہوگئے۔

مثلاً زمین ساکن ہے یہ اس وقت کا مقبول ترین نظریہ تھا جس پر فلسفہ یونان اور قدیم سائنس کا اجماع تھا۔توعیسائیوں نے اس مسلمہ نظریے کی توثیق یوں پیش کی کہ ضرور ایسا ہی ہے حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہی سکون ارض پر کافی دلیل ہے کیونکہ جس جگہ اللہ کا بیٹا جلوہ گرہوتو تمام کائنات کوچاہئے کہ اس کا طواف کرے۔اسی طرح قدیم فلسفہ اور سائنس کا نظریہ تھا کہ مخالف سمت میں کوئی خطہ زمین نہیں ہے اگر ہے بھی تو انسان آباد نہیں ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰؑ وہاں تشریف نہیں لے گئے۔

ایک طویل عرصہ قدیم سائنس، یونانی فلسفہ اور عیسائیت آپس میں ہم آہنگ ہوکر چلتے رہے۔

سترہویں صدی میں جب جدید فلسفہ اور جدید سائنس نے جنم لیا تو اصل جنگ یونانی فلسفہ اور جدید فلسفہ کی تھی اصل مدمقابل تو قدیم سائنس اور سوشل سائنس، جدید سائنس تھی۔کچھ نظریے جو صدیوں سے چلے آرہے تھے اس وقت کے لوگوں نے اپنی استعداد اور علم کے مطابق نظریہ قائم کیا تھا بعد میں آنے والے لوگوں نے کچھ اور طرح کے نظریات پیش کیئے، نئی سائنسی تحقیقات سامنے آرہی تھی چونکہ عیسائیت قدیم سائنسی نظریات کا جواز بائبل سے دے چکی تھی اس وجہ سے انحراف ممکن نہیں تھا اس لئے جو بھی کوئی ایسا نظریہ پیش کرتا جو قدیم سائنسی نظریات کے خلاف ہوتا اسے

عبرتناک سزادی جاتی اور پھر نئے نظریات کو دبانے کی کوشش کی جاتی، سائنس دانوں کونشان عبرت بنایا جاتا جس وجہ سے عیسائیت پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ نئے علوم سائنس کے مخالف تھے اس لئے مذہب عیسائیت شکست وریخت کا نشانہ بنا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت کی شکست کا سبب سائنس اور فلسفہ کو اپنے اندر داخل کرنا تھا اگر عیسائیت دینی منہاج علم کو ہی اس کی مابعدالطبعیات کے ساتھ برقرار رکھتی سائنسی منہاج علم اختیار نہ کیا جاتا تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ مذہب تو حقیقت بیان کرتا ہے حقیقت تو وہ ہوتی ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی اور اپنے ہونے کے لئے کسی دوسرے جواز کی محتاج نہیں ہوتی۔ مذہب اپنے اثبات کے لئے اپنے اندر جواز رکھتا ہے سائنس سے اس کی توثیق یا تردید کرنا خود غیر سائنسی، غیر منطقی طریقہ کار ہے، سائنس کا کوئی نظریہ حتمی نہیں ہوتا ہر وقت تبدیلی کا امکان رکھتا ہے اس لئے دونوں کے منہاج الگ الگ ہے۔

ہر تعقل اپنے منہاج میں درست نظر آتا ہے، منہاج بدل جائے تو عقلی دلائل غیر عقلی معلوم ہوتے ہیں جس طرح دو ہزار سال تک سورج متحرک اور زمین ساکن رہی لیکن دو ہزار سال بعد منہاج علم بدل گیا تو قدیم مذہبی علم و عقلی دلائل مسترد کر دیئے گئے۔

عیسائیت کی شکست کی سب سے بڑی وجہ فلسفہ یونان کا ختم ہونا اور قدیم سائنسی نظریات کا بالکل غلط ہونا وجہ بنی کیونکہ اسی شاخ نازک پر عیسائیت اپنا آشیانہ تعمیر کر چکی تھی جب یہ دونوں چیزیں جدید فلسفہ اور سوشل سائنس کا مقابلہ نہ کر سکیں اور نئی فکر کے سامنے مات کھا گئی تو عیسائی نظریات بھی بے بنیاد ہو کر رہ گئے، اپنی اس حماقت پر چرچ نے 350 سال بعد معذرت بھی کی مگر اس وقت معذرت طلب کرنے والا کوئی نہیں تھا اس غیر دانش مندانہ اور غیر دینی رویے کے باعث مغرب میں کلیساء غیر اہم ادارے بن کر رہ گئے اور یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ دنیاوی امور میں مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے ایک طاقت کے زور پر نئے نظریات کو دبانے کی کوشش کی جاتی، سائنس دانوں کو نشان عبرت بنایا جاتا جس وجہ سے عیسائیت پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ نئے علوم سائنس کے

مخالف تھے اس لئے مذہب عیسائیت شکست وریخت کا نشانہ بنا۔

سائنسی منہاج میں علم کی تعریف:

1]۔اس علم پر شک کیا جاسکتا ہو۔

2]۔اس میں غلطی کے امکان کو تسلیم کیا جاتا ہواور اسے درست بھی کیا جاسکتا ہو۔

3]۔اس پر تجربہ کیا جاسکتا ہو۔

فلسفہ سائنس کی کوئی کتاب پڑھ لی جائے ہر کتاب میں یہی تصور اور نظریہ اور اصول ملے گا کہ حواس خمسہ کی بنیاد پر حاصل کردہ علم اخذ کردہ نتائج، مشاہدات اور تجربات سے صرف امکانی سچ [Probable Truth] تک رسائی ممکن ہے نہ کہ ٹھوس قطعی، اصلی، واقعی اور ابدی سچائی تک۔

سائنسی علم اس علم کو کہتے ہیں جس میں کذب اور تردید کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے جس نظریے میں رد ہونے کے زیادہ امکانات ہوں گے وہ نظریہ زیادہ ترقی کرے گا، ارتقاء کی منازل کا سفر کامیابی سے طے کرے گا۔

سائنس کا کوئی بھی نظریہ ہو وہ حتمی وقطعی نہیں ہوسکتا ہر وقت اس میں تبدیلی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اگر کوئی نظریہ اس حد تک یقینی ہو جائے

۳

کہ اس میں شک اور تردد کا امکان بھی موجود نہ رہے تو وہ نظریہ علم کی تعریف سے خارج ہو جائے گا بلکہ اس کو تو عقیدہ کہا جائے گا۔

لہٰذا سائنس کا کوئی نظریہ مسلمہ وقطعی اور نا قابل تبدیل نہیں ہوسکتا، ہر نظریہ اپنے اندر امکان تبدیل رکھتا ہے جبکہ مذہب کا منہاج اس سے بالکل جدا ہے اس کے نظریے قطعی اور نا قابل تغیر ہوتے ہیں اس میں علم قطعی اور شک سے پاک ہوتا ہے۔

ہر عقل مند انسان سمجھ سکتا ہے کہ قطعی اور حتمی چیز کے اثبات یا تردید کے لئے غیر قطعی اور غیر حتمی بات کو دلیل بنانا احمقانہ عمل ہے۔ عصرِ حاضر میں سائنٹیفک میتھڈ کے مطالبے کا رجحان بڑھتا چلا جا رہا

ہے عوام کے اس مطالبے پر اسلام کو بھی سائنٹیفک میتھڈ پر بیان کرنے کی غیر سنجیدہ کوشش کی جاتی ہے۔ جو آدمی سائنٹیفک میتھڈ سے بات کرے اسے پڑھا لکھا سمجھا جاتا ہے جو آدمی قرآن وسنت سے اثبات کی دلیل سننے کے بعد پھر بھی سائنٹیفک میتھڈ سے دلیل طلب کرے تو علماء کی ذمہ داری ہے کہ اس کو سائنٹیفک میتھڈ سے سمجھانے کی بجائے اس کے ایمان کا جائزہ لیں اور اس کے ایمان کے گراف پر محنت کریں، ہو سکے تو اس کو وحی کی قطعیت اور سائنٹیفک میتھڈ کا غیر حتمی اور قابل تردید ہونا سمجھا دیں۔

سائنٹیفک میتھڈ کیا ہے؟

انسانی ذہن کے استعمال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کوششوں کو جاننے کا طریقہ سائنٹیفک میتھڈ کہلاتا ہے۔

جبکہ مذہب انسانی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ تو ربِ ذوالجلال کا کرم ہے محض اس کی طرف سے رہنمائی وعطا ہے لہٰذا علم وحی یعنی دین کا موازنہ یا اس کی تصدیق، تائید وتوثیق کے لئے انسانی ظنی، قیاسی، حسی، تجرباتی، غیر قطعی، عقلی، وجدانی یا سائنسی طریقے سے مدد لینا غیر دینی اور غیر سائنسی رویہ ہے خود سائنس کے منہاج علم میں بھی یہ طریقہ قابل قبول نہیں اور مذہب کے منہاج میں بھی یہ غیر معتبر طریقہ کار ہے [یعنی حصول علم کا ہر وہ طریقہ جس کے ذریعہ نفسِ انسانی بنے، مثلاً انسانی مشاہدے، تجربے، احساس یا قوت سمعہ یا حاصل کردہ نتیجہ سب سائنٹیفک میتھڈ کے زمرے میں آئیں گے]۔

عصرِ حاضر میں ایجادات کا سیلاب کیوں؟

جدید سائنس:

جدید سائنس کا مقصد حقیقت کی تلاش نہیں بلکہ حقیقت تو تلاش ہو چکی ہے کہ سب سے اعلیٰ حقیقت انسان ہے، لہٰذا اس حقیقت کو پُر اثر بنانے کے لئے انسان کی خدمت کرے گی مختصر یہ کہ عصرِ حاضر کی سائنس کا مقصد تحقیق کائنات نہیں بلکہ تسخیرِ کائنات ہے۔

I will com a superman' ہر وہ مادی رکاوٹ جو انسان کی آزادی میں رکاوٹ بنے اس کو دور کیا جائے گا سائنس کے ذریعے تاکہ انسان اپنی مطلق العنان آزادی کا برملا اظہار کر سکے، اور عصرِ حاضر کی سائنس کا دعویٰ ہے ہم دنیا کو ایسا بنادیں گے جیسا کہ Human been چاہتا ہے، قدرت کو مسخر کرنا یہ مشن ہے، ایجادات میں انہی 2 سو سالوں میں ترقی اسی فکر کا نتیجہ ہے کہ مقصد سائنس تبدیل ہو گیا۔

ایک منہاج العلم سے دوسرے علم کی توثیق یا تردید ایک منہاج سے کسی دوسرے منہاج العلم کا کسی جزی کی تردید یا توثیق غیر سائنسی اور غیر دینی طرزِ عمل ہے۔ اس جملہ کو ایک آسان مثال سے یوں سمجھیں، ایک آدمی ایلوپیتھی، ڈاکٹری طریقہ علاج شروع کرواتا ہے مثلاً آپریشن کروالیتا ہے آپریشن کے بعد وہ ایلوپیتھی طریقہ علاج کو چھوڑ کر ہومیو پیتھک علاج کروانا چاہتا ہے تو کوئی بھی عقل مند ڈاکٹر اس کو ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہ دے گا۔

حالانکہ دونوں طریقہ علاج ہیں اور دونوں علوم میں بدن انسانی کو ہی مدنظر رکھ کر نتائج اخذ کئے ہیں اور دونوں ایک خاص مرض کا ہی علاج کریں گے اتنی ساری مماثلت کے باوجود مریض کو کبھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے آپریشن تو ایلوپیتھی کے ذریعہ کروالیا ہے اور ادویات ہومیو پیتھک کی استعمال کرلیں۔

اس لئے کہ ان دونوں کا منہاج العلم الگ الگ ہے دینی مسائل کا الگ اور سائنٹیفک میتھڈ کا الگ، ایسا طرزِ عمل وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو سائنس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں یا پھر حد درجہ کے مرعوب ہیں اس طرزِ عمل کو سائنسدان بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ بعض لوگ قرآن کی آیات پڑھ پڑھ کر جدید سائنسی علوم کی تشریح شروع کر دیتے ہیں کہ ان لوگوں نے علم سائیکالوجی علم طبعیات یا فلاں ٹیکنالوجی قرآن سے نکالی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان لوگوں نے تو باوجود کفر کے اور باوجود قرآن پر یقین نہ رکھنے کے پھر بھی اتنے علوم اخذ کر لئے۔ تو مسلمان مفسرین، حضرت ابن عباسؓ، علامہ آلوسی، صاحب ابن کثیر اور

ہزاروں مفسرین حضرات کیا کرتے رہے؟ ان کو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی کہ اتنے علوم بیان کیئے گئے ہیں، یعنی کافروں کو تفہیم قرآن پر اس قدر عبور اور یہ شمع ہدایت کے پروانے اپنی زندگیوں کو فہم قرآن پر نچھاور کرنے والے قرآن کے ایک ایک لفظ کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کو دنیا ومافیھا سے بہتر جاننے والے قرآن کی فہم میں پیچھے رہ گئے اور قرآن کے مضامین کافروں پر جس طرح کھلے، مسلمان اس سے ناواقف رہے؟

ہی ہونی چاہیے جس کو وہ خدا مانتا ہو ہم اس طریقہ ومنہاج پر اتر کر دلیل دیں گے تو عالم کفر اسکو تسلیم کرلے گا، جبکہ عصر حاضر میں سائنس ایک ایسا منہاج ہے جس کے مبینہ اصولوں سے کوئی بھی قوم یا اہل مذہب روگردانی نہیں کرتے بلکہ اس اصولوں کو مسلمہ اصولوں کے طور پر قبول کرلیا گیا ہے۔

جب کسی بھی چیز پر دلیل سائنس کے اصولوں کے مطابق دی جاتی ہے تو اس شئی کو رد کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ سائنسی علم ایک آفاقی علم ہے اس کا منہاج آفاقی سطح پر تسلیم ہو چکا ہے۔ لہذا اسلام کے حق ہونے پر جب آفاقی نوعیت کی دلیل دی جائے گی یعنی سائنس کی روشنی میں اس کی حقانیت ثابت کی جائے گی تو عالم کفر اسلام کی حقانیت سے منہ نہ موڑ سکے گا۔ اس لیے اسلام اور سائنس کو ہم آہنگ کر کے پیش کرنا دین اسلام کی بہت بڑی خدمت سمجھا جاتا ہے۔ اس سوال کے جواب سے قبل یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ ہم سے پہلے عیسائیت اس طرح کا تجربہ کر چکی ہے مذہب عیسائیت جسکی بنیاد وحی پر تھی اس کو فلسفہ یونان اور قدیم سائنسی مسلمات کے ہم آہنگ کر کے پیش کیا گیا جب فلسفہ یونان قدیم سائنسی مسلمات مرورزمانہ کی بدولت اپنی حیثیت کھو بیٹھے تو اسکی بنیاد پر کھڑا کیا ہوا دین بھی متزلزل ہو گیا۔

اس وقت کی آفاقی دلیل فلسفہ یونان اور قدیم سائنس کو تصور کیا جاتا تھا اور آج کل کے دور میں فلسفہ جدید اور سوشل سائنس کو آفاقی دلیل سمجھا جاتا ہے اور آئندہ آنے والے زمانے میں نا معلوم کس چیز کو آفاقی دلیل سمجھا جائے۔

الغرض اگر سائنٹیفک میتھڈ سے کسی مسئلہ دین کو ثابت کریں بھی تو فائدہ کس کو ہوگا؟ سائنسی منہاج کو یا دین کو؟ جب آپ نے اولا اپنا منہاج ہی چھوڑ دیا بلکہ مدمقابل کے منہاج کو کسوٹی مان لیا تو جھگڑا باقی کیا رہ جاتا ہے، اسلام اور کفر کا جھگڑا صرف اسی بات کا ہی تو ہے کہ اسلام کھتا ہے کہ، غلط کیا ہے، اور صحیح کیا ہے، اس کے بارے میں رب فیصلہ کرے گا قرآن جسے غلط بتائے ہم اسے غلط سمجھتے ہیں وہ جسے صحیح بتلائے اسے صحیح سمجھتے ہیں ہمارا منہاج اور کسوٹی دین اسلام ہے یعنی قرآن سنت ہے جبکہ عالم کفر وہ اس دین کو یعنی قرآن وسنت کو منہاج ماننے کیلئے تیار نہیں ہے اسلیے اسلام ان کو الگ ملت قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کو الگ ملت قرار دیتا ہے۔ کفر کی کئ شکلیں ہیں، ہر شکل اپنا کوئی خاص منہاج اور کسوٹی بتاتی ہے جو قرآن وسنت کے علاوہ ہے۔

مثلا عیسائی.... کھتے ہیں کہ ہم صحیح وغلط کے بارے میں نفع ونقصان کے بارے میں بائبل سے جانیں گے

ہندو........ کھتے ہیں کہ ہم صحیح وغلط اور نفع ونقصان کے بارے جانیں گے اپنی مذہبی کتابوں سے

سکھ.......... کہتے ہیں کہ ہم گرنتھ سے جانیں گے صحیح کیا ہے غلط کیا ہے نفع نقصان کس سے ہے

سول سوسائٹی... کہتی ہے ہم صحیح وغلط کے بارے میں معلوم کریں گے سائنٹیفک میتھڈ سے یعنی انسانی کوشش کے نتیجہ میں سمجھ آنے والی بات ہی ہم تسلیم کریں گے۔ حق وناحق کے بارے میں جاننے کا منہاج ہمارے پاس بائبل، گرنتھ، یا قرآن نہیں ہے بلکہ ہمارے لیے کسوٹی اور منہاج سائنس ہے۔ ماقبل سوال کا جواب حاصل کرنے سے پہلے ہمیں یہ سوچنا ہوگا اگر کوئی آدمی دین کے کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کیلئے اپنے منہاج، کسوٹی کو ہی ترک کر دیا ہے اور کفر کے منہاج اور کسوٹی پر اتر آتا ہے تو کفر کا مقصد تو پورا ہوگیا۔ قرآن وسنت کو معیار حق وباطل یا خیر وشر کی کسوٹی ماننے سے جب ایک مسلمان دست بردار ہوگیا تو پھر کس چیز کے ثابت کرنے پر زور لگا رہا ہے۔ ساری اسلامی علمیت مسائل واحکام اسی بنیاد پر تو کھڑے تھے کہ مسلمان معیار حق وباطل اور خیر وشر کے بارے میں جاننے کی کسوٹی صرف اور صرف قرآن وسنت کو سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام طریقے

جو کفر نے صحیح و غلط کو جاننے کے بنا رکھے ہیں یا خیر و شر کو پرکھنے کی کسوٹی بنا رکھی ہیں سب کی سب باطل ہیں وہ بائبل ہو یا گرنتھ ہو یا پھر سائنٹیفک میتھڈ۔ اصل جواب یہ ہے کہ اس کائنات میں کسی بھی چیز پر آفاقی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔ نہ کفر پر نہ اسلام پر نہ ہی کسی تیسرے نظریے پر۔ انسان اپنے مابعد الطبعیات کے تناظر میں دلیل قائم کرتا ہے زمان اور مکان کے اندر رہ کر سوچتا ہے ،دلیل اس جیسی مابعد الطبعیات (عقائد) رکھنے والوں کیلیئے یا اس زمان و مکان (تاریخی تناظر) میں تو کارآمد ہوگی تاریخی تناظر و مابعد الطبعیات تناظر کے بدل جانے سے ہر دلیل بے وقعت ہو جاتی ہے اس لیے کوئی بھی دلیل آفاقی نہ ہو سکے گی۔

(۲۰) مغربی ذہن کی گمراہیاں،

علماء سے الحاد کی توثیق:

یہ صدی دین کو رد کرنے کی نہیں ہے کہ ایک چیلنج کرنے والا اٹھے اور کسی مذہب کی علمیت اور بنیادی تعلیمات کو عقلی طور پر غلط ثابت کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے بلکہ اس صدی میں اور گزشتہ صدی میں بھی یہی ہوا اور ہو رہا ہے کہ خیر خواہی اور تفہیم انداز میں اسلام کی اور دیگر مذاہب کی برملا تعریف کرتے ہیں اور چھپے الفاظ میں منطقی انداز میں مذہب کے بارے لوگوں کو بدظن کیا جاتا ہے یا شکوک ضرور پیدا کرتے ہیں طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ایسی اصطلاحات جو اسلام میں مقبول ہیں ان کو اپنے بیانات ما استمعل کرتے ہیں اور بڑی چابک دستی سیا صطلاحی لفظکے سیاق اصلی کی جگہ کوئی اور جادر اصل الحاد ہوتا ہے استعمال کرتے ہیں اور بطور منظر بیان کرتے ہیں اور لوگوں کو قائل کرتے ہیں اسکی واضح ترین مثال فرانس مستشرق ہنری کوربن (Henry Corbin جس کو زمانہ حال کا سب سے بڑا مستشرق قرار دیا گیا۔

مغربی ذہن کی گمراہیاں

ا)۔ عقائد، عبادات اور اخلاقیات کو دین کا لازمی جزء نہ سمجھنا بلکہ ان میں سے ایک کو خصوصا

اخلاقیات کو اپنانا اور باقی کو چھوڑ نا۔

۲)۔عبادات کو محض رسوم ہی کو حیثیت سے قبول یا رد کرنا۔

۳)۔اخلاقیات کو ہی مکمل دین سمجھنا اور مذہب کو صرف ایک اخلاقی نظام کہنا۔

۴)۔عقائد مذہب کو قدیم زمانے کے ناپختہ ذہن کا مظہر کہنا۔

۵)۔مذہب کو انسانی ذہن کی تخلیق سمجھنا بلکہ یوں کہنا کہ انسانی ذہنی ترقی کے ساتھ مذہب بھی بدلتا رہتا ہے۔خدا یا خدا کا تصور بھی ارتقاء پذیر ہے۔

۶)۔وسعت نظری یا آزاد خیالی کے اصول کے تحت غلط عقائد کو بھی وہی مقام دینا جو صحیح عقائد کو حاصل ہونا چاہیئے۔

۷)۔معجزات اور کرامت کا انکار یا عقلی تاویل۔

۸)۔ہر دینی مسئلہ کو انسانی نقطہ نظر سے دیکھنا بلکہ دین کو انسانی فکر کا نتیجہ تصور کرنا اور جو چیز انسانی عقل سے ماوراء ہے اسے انسان کی سطح پر لانے کی کوشش کرنا۔

۹)۔تحقیق کو دینی اصولوں کے ماتحت نہ رکھنا بلکہ تحقیق برائے تحقیق۔

۱۰)۔یہ نظریہ کہ خالص علم کوئی چیز نہیں ہے بلکہ علم صرف وہ ہے جس کے ذریعے مادی چیز بنائی جا سکے یعنی علم کو صرف ایجادات کا ذریعہ سمجھنا۔

۱۱)اپنی ذاتی رائے سے دین کی تفسیر کرنا اور تفسیر کا حق عام کر دینا۔

۱۲)دین اور دینا کو یا تو بلکل الگ کر دینا یا پھر دین کو دنیا کے تابع کر دینا دوسرا رجحان آج کل زیادہ غالب ہے

۱۳)مقدس کتابوں سے سائینسی اصول اخذ کرنے کی کوشش کرنا

۱۴) انفرادیت پرستی کا زور اس کے پہلو ہیں ایک تو ہر فرد کو دین کے معاملے میں رائے دینے کا حقدار سمجھنا دوسرا استعداد کے سوال کو نا قابل توجہ خیال کرنا۔

۱۵)صحت مند جانوں کو انسانی زندگی کا معیار بنانا۔

۱۶)انسان کی مادی ترقی کو ہر چیز کا معیار بنانا قناعت سے انکار کرنا۔

عصر حاضر میں مستشرقین اور نو تعلیم یافتہ حضرات کے اسلام پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کی حقیقت اور جوابات (تفصیل کتاب سے دیکھیں) فتنوں مختلف شکلیں کی

مذہب پر جدید حملہ: مذہب کے خلاف اس کام کی مخالفت کرنے کا روج ختم ہو چکا ہے آج کل مذہب کی مخالفت اور مذہب کو نقصان پہنچانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں تحریف کی جاتی ہے اس کی مروجہ اصطلاحات کو اصل پس منظر سے ہٹا کر پیش کیا جاتا ہے اصطلاحات کی غلط تشریح لوگوں کو سمجھائی جاتی ہے یعنی اصطلاحات مذہبی رہیں مگر اس سے مراد لیا جانے والا معنیٰ ملحدانہ ہو۔